RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-book and **10 Paise** per volume per day for general books kept over-due.

ڈیڈیکیشن

نہایت گہرے احساسِ عقیدت مندی سے
یہ حقیر ترجمہ جناب مکرم مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب
شیروانی زبدۃ الطائفہ کے نام نامی سے ممدوح
کی اجازت کے ساتھ معنون کیا جاتا ہے۔

حقیر

سید محمد معین الدین مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رُباعی

کیا تاب لکھوں حمدِ خداوندِ مجید ÷ وا ماندہ قلم۔ عرصۂ توحید بعید
اِک شمہ ہی اُس کے کرمِ بیحد کا ÷ آغاز و سرانجامِ مضامینِ مفید

التماس:

اللہ تعالیٰ کا شکر و سپاس بندے پر واجب ہی۔ اور اُسی کے عزیز نام سے۔ اور آنکھ سے نظر نہ آنے والی۔ اُسی کی مدد کی جستجو کرتے ہوئے۔ جو کام بندہ اختیار کرتا ہی کامیابی کی توقع رکھ سکتا ہی۔

زمانے کی حالت ایک سی نہ قایم رہی ہی اور نہ رہنے والی ہی۔ پس ایسی حالت میں جس سے جو مفید کام بن پڑے کرلے تو اچھا ہی۔ اس لیے کہ فرصت کم اور کام زیادہ ہی۔

ہر کوشش اور محنت کا ایک مقصد بھی ہوتا ہی۔ پس اگر۔ مقصد میں خود غرضی کم ہو لیکن دوسروں کو نفع زیادہ ہو سکے تو بہتر ہی۔ انگریزی زبان پر منحصر نہیں۔ کوئی غیر زبان ہو۔ اُس کے حاصل کرنے کا بڑا اچھا مقصد غالباً ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہی کہ اُس سے اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی کچھ فائدہ ہو سکے۔ انگریزی زبان کا سلطنت کی سرپرستی سے۔ وہی رواج ہوا جس کا ہونا قدرتی طور سے لازمی تھا۔ اس زبان میں بڑی نادر نادر کتابیں کثرت سے موجود ہیں۔ لیکن انگریزی نہ جاننے والوں کے لیے وہ سربمُہر ہیں۔ کیا اُردو داں لوگوں کا یہ حق نہیں ہے کہ انگریزی جاننے والا ایسی سعی کرے کہ کم سے کم کچھ ایسی نادر کتابیں اُردو خوانوں کے لیے بھی تراجم کے ذریعہ سے مہیا کر دی جائیں۔ مترجم کو اس خیال سے کبھی بے دِل ہونا یا ہمت ہارنا نہ چاہیے کہ اُردو داں گروہ نے اُس کے ترجمہ کا کیسا

حیز مقدم کیا۔ کیونکہ یہ حیز مقدم محض کتاب کی خوبی اور ترجمہ کی نفاست و اسلوب پر قطعی منحصر ہے۔

ترجمہ کا کام و یسا دشوار ہرگز نہیں ہے جیسا عموماً خیال کر لیا گیا ہے۔ صرف تھوڑے سے عزم و استقلال کی حاجت ہے اور بس۔ رہا وقت۔ تو کتنا ہی مصروف آدمی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ ارادہ کرلے تو وہ بھی نکل آنا کوئی بڑی بات نہیں۔ میں اپنی ذات پر قیاس کر کے کہتا ہوں کہ میری مصروفیت اور اُس کے ساتھ سرکاری کام میں دماغی محنت اتنی ہے کہ اُس کا اندازہ مجھے اور میرے چند جاننے والوں کو ہے۔ لیکن پھر بھی تراجم ختم ہو گئے اور نپولین اعظم کے ترجمہ اور دشواری پر خدا نے مجھکو فتح دی اور اس ترجمہ کی صرف ضخامت کو ثابت کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ کسی بڑے شخص کی سوانح عمری جو انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی گئی ہو اب تک اُردو زبان میں اتنی ضخیم یعنی پانچ جلدوں میں غالباً موجود نہیں ہے۔ لیکن مشکل کام جو اصل میں واقعی مشکل ہے اور ظاہر میں آسان نظر آتا ہے وہ ترجمہ کے لیے کتاب کا انتخاب کرنا ہے۔ اس انتخاب میں بڑے اہم پہلو نظر رکھنے پڑتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ کتاب ہر پہلو سے مفید ہونی چاہیے اور وہ معلومات کو مفید طریقوں سے وسیع کرے۔

لیکن بڑے تعجب کا مقام ہے کہ اُردو تراجم کے ذریعہ سے ابتک بہت تھوڑی کتابیں ملک کے سامنے پیش کیجا سکیں اور اُن کا۔ فی گریجویٹ ایک کتاب کا بھی غالباً اوسط نہ پڑے گا۔ پس اگر اُردو دان بھائی اپنے قابل گریجویٹوں سے شکایت کریں تو ایسی شکایت کچھ بیجا نہیں۔ اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو شاید انصاف کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے قابلوں نے بڑی خودغرضی سے کام لیا۔ یعنی نادر و نادر انگریزی تصانیف کو خود پڑھکر اپنے کتب خانوں میں رکھ چھوڑا اور خود ہی فائدہ اُٹھایا۔

سنہ ۱۹۱۴ء کی آخر جولائی میں گویا یورپ کی ہولناک جنگ کا آغاز ہوا۔ اور آج دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء میں وہ چنگاری ہی عالم سوز کوہ آتش فشاں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ایسے غیر متوقعہ اور صعب واقعہ کے متعلق مغربی زبانوں میں کثرت سے کتابیں لکھی جائیں

اور لکھی جا رہی ہیں - پس غور طلب ہے کہ اُردو داں لوگوں کے دلوں کا کیا حال ہوا ہوگا جن کو یہ ہی معلوم نہیں کہ معاملات اس حد تک کیوں بڑھے - اور میں افسوس سے کہتا ہوں کہ کوئی قابلِ وثوق اُردو ترجمہ یا تصنیف ایسی نظر نہ پڑی کہ کچھ تو آگاہی یا تشفی کا باعث ہو سکتی - صرف ایک اُردو تصنیف ضرور ایسی دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ اُس میں جرمنی کی مغربی حد ملک روس اور مشرقی حد فرانس اور بلجیم لکھے ہوئے تھے - پس جو مصنف جرمنی کی قدرتی حدود کو اُلٹ دینے کی قدرت رکھتا ہو وہ ہم کو اپنی تصنیف سے ترکستان پہنچائے بغیر کیسے باز رہ سکتا ہے - افسوس-

میں یہی بات محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں کے کتب خانہ کو گورنمنٹ نے جنگ کے موضوع پر ایک انگریزی کتاب عطا کی - میں اپنے اسکول کے کتب خانہ کا لائبریرین بھی ہوں - اور میں نے اس کتاب کو پڑھا - اس کتاب کا مصنف اپنے زمانہ کا بڑا زبردست فاضل ہے - اس کا نام - جے نیلسن فریزر ہے اور اس وقت وہ ٹریننگ کالج بمبئی کا پرنسپل ہے - یہ مصنف ایک حد تک ایسا حق پسند ہے کہ وہ حق پسندی کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ہی میرے دل پر اپنا اثر کر گئی - کتاب کی جامعیت بھی حیرت انگیز اور تسلی بخش تھی - تمامی اقوام یورپ کی جن کا موجودہ جنگ سے تعلق ہے ایسی ماضی و حال کی تاریخ لکھی گئی ہے کہ عطر کھینچکر رکھدیا ہے اُس کے بعد تمامی مباحث بڑی محققانہ بحث کر کے کتاب کو اچھے سے اچھے کتب خانہ کی زینت بنا دیا ہے - پس اُردو میں ایسی کتاب کہاں دستیاب ہو سکتی تھی - چنانچہ اس کتاب کے ساتھ میری فریفتگی کی حالت ہو گئی اور صاحب موصوف کو میں نے بمبئی فوراً ایک خط لکھا اور ترجمہ کی اجازت مانگی اور اس سخی مصنف نے مجھے بڑی خوشی سے اجازت دے کر ہدایت کی کہ کتاب کے انگلش پبلشرس سے بھی میں خط و کتابت کروں اور اجازت لے لوں - یہ کتاب آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس سے شائع ہوئی تھی اور میں نے منیجر کو لکھا جس پر میرے اُردو ترجمہ کا

نمونہ مانگا گیا کہ اصل سے مقابلہ اور جانچ کی جائے - چنانچہ وہ نمونہ میں نے بھیجا اور اس کا امتحان کیا گیا اور مجھے اطلاع دی گئی "کہ ترجمہ جانچا گیا اور وہ نہایت عمدہ ہے - خوشی سے ترجمہ کی اجازت دی جاتی ہے - اور وہ شایع کیا جائے" یہ خط و کتابت میرے پاس محفوظ ہے - چنانچہ ترجمہ فوراً ختم کر دیا گیا -

پس اب اُردو دانوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے پڑھیں اور ایسی باتیں جن کا اُن کو علم نہ تھا حاصل کریں اور میرا یہی کام تھا کہ ترجمہ اُن کی زبان میں اُن کے سامنے پیش کر دیا -

اپنے پچھلے تراجم کے متعلق کچھ کہنا نہیں ہے - وہ جنھوں نے اُن کو پڑھا ہے اُن کو جانتے ہیں - اور باوجود عدیم الفرصتی کے ترجمہ کے کام میں عزم و ہمت سے کام کرنا بعض ایسے کرموں کی ہمت افزائیوں کی بدولت مجھکو نصیب ہوا ہے کہ بعض نام تو پچھلے تراجم میں ظاہر کیے جا سکے لیکن ایک نام ایسے عظیم الشان لیکن ایسے خاکسار شخص کا ہے کہ اُس کی خاکساری پر لاکھوں شانیں نثار ہیں اور یہی عظیم الشان شخص مجھے کبھی اجازت نہیں دیتا کہ میں اپنے ناچیز تراجم کو اُس کے محبوب ترین نام سے معزز بناتا - اور اس کا مجھے انتہائی صدمہ ہے -

اس ترجمہ کے بعد اگر خدا کا حکم ہوا تو میرا ترجمہ تاریخ محاربات افغانستان جو تین جلدوں میں ختم ہوا ہے اور جس کی دو جلدیں زیر طبع ہیں اور تیسری قلمی میرے پاس تیار رکھی ہے پبلک میں آئے گا اور اُسی وقت انشاء اللہ تعالیٰ میں یہ بتاؤں گا کہ اس کی اشاعت کے کثیر صرفہ میں وہ کون ہے جس نے میرا ہاتھ بٹایا - اس "انمول" تاریخ کو بھی جیسی تراجم شاید ہی پیدا کریں میں اُسی محترم اور ممتاز علمی رموز کے رمز شناس بزرگ کے نام معنون کروں گا جس کے نام نامی سے اس ترجمے کو معنون کر رہا ہوں - اور ایسا ہی ہوگا کیونکہ پروردگار بڑا طاقت والا ہے اور میرا سچا خلوص انشاءاللہ کبھی نہ رہے گا -

میرے ایسے "عزیز" جیسے عزیز گرامی قدر مولوی منظور النبی صاحب سہارن پوری اور عزیز از جان مولوی محمد حمید الدین خاں صاحب ایم۔ اے۔ بریلوی ہیں اپنے "خیر طلب" کے ترجمے سے بڑے دل شاد ہوں گے۔

میرے مکرّم اُستاد حافظ سیّد علی حسن صاحب۔ احسن مارہروی نے ایک جزو اس ترجمہ کا میری خوش نصیبی سے سُن لیا ہے۔ برخوردار سید محمد قطب الدین نے جو میرے ساتھ بدایوں میں موجود ہیں ترجمہ کو ہر طریقے سے دیکھ لیا ہے۔ اور میرے عالم دوست مولوی یعقوب بخش صاحب جیلانی۔ راغبؔ بدایونی نے بھی ترجمہ کا ایک حصّہ سُنا اور مصنف کی بحثوں کی داد دی ہے۔ ترجمہ میں ایک چھوٹی سی نظم بھی واقع ہوئی ہے اور اُس کو اُستادی قاضی حاجی محمد خلیل الدین حسن صاحب۔ حافظؔ۔ حافظ آبادی نے سرسری نظر سے دیکھ لیا ہے۔ عزیزی مفتی صدیق احمد صاحب نے بھی اسے دیکھ لیا ہے۔

میرے محسن اور شفیق منشی نظام الدین حسین صاحب نظامی کے سامنے یہ ترجمہ ہوا ہے اور اب وہی اس کو اپنی نگرانی میں اپنے مطبع نظامی بدایوں میں چھاپتے ہیں اور میرے شفیق منشی فیض الحسن صاحب سہارن پوری اپنے قلم سے اس کی کاپی لکھتے ہیں۔ پس ان سب کے شکریے کے ساتھ یہ التماس ختم کی جاتی ہے۔ اللہ باقی

حقیر سیّد محمد معین الدین شاہ جہاں پوری

(ابن سیّد محمد صالح صاحب مغفور)

مترجم۔ اورنگ زیب۔ و نپولین اعظم۔

(و۔ تاریخ محاربات افغانستان زیر طبع)

۱۱۔ دسمبر ۱۹۱۵ء یوم شنبہ

بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(تمہید منجانب مصنف)

ابھی حال میں ہم کو ایک ایسے وقت سے گزرنا پڑا ہے جس کو دنیا کی تاریخ کے حد سے زیادہ دردناک وقتوں میں سے ایک وقت کہنا چاہیے۔ ہم نے ایسی جنگ چھڑتے ہوئے دیکھی ہے جس نے بنی نوع انسان کی سب سے بڑی قوموں کو شمشیر بکف ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اپنی وسعت کے اعتبار سے یہ جنگ عدیم المثال ہے اور اُس کے دوسرے پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے بھی اس موجودہ جنگ اور پہلی لڑائیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ جنگ تو سائنس اور ایجاد کے دَور کے بعد واقع ہوئی ہے جبکہ انسان کے قبضۂ قدرت میں نہایت مہلک آلاتِ حرب آ چکے ہیں۔ ایسے آلات و اسلحہ کا پہلے تو ذکر و مذکور ہی نہ تھا۔ یہ جنگ تو نیکی۔ رحم و انسانیت کے ترقی کرنے ہوئے زمانے کے بعد پیش آئی ہے۔ درد و مصیبت کے خلاف جیسا یہ زمانہ ہے ویسا کبھی پیشتر نہ تھا۔ اور جیسے رنج و مصائب کے گھٹانے میں لوگوں کے خیالات اس زمانے میں مصروف ہو جایا کرتے ہیں ویسے کبھی کسی زمانے میں متوجہ نہ ہوتے تھے۔ اور مختصراً یہ کہ یہ جنگ ایسے زمانے میں پیش آئی ہے جبکہ مختلف اقوام میں ارتباطِ باہمی نشو و نما پا رہا تھا اور ایسے ممالک کے افراد کے باہم ہمدردی پیدا ہو رہی تھی جن ممالک کے باہم بہت ہی خفیف دوستی تھی۔ اور اُس پر طرّہ یہ ہے کہ یہ جنگ ایسی سرعت سے پیش آگئی اور ایسے شدّ و مد سے واقع ہوئی کہ ہمارے لیے اتنا موقعہ ہی نہ چھوڑا کہ ہم صلح کے متعلق خواہش کرتے یا امید ہوتی یا ہم کچھ کارروائی ہی کرتے۔ فریقین کے درمیان کسی کو نہ کوئی شک باقی ہے نہ اُن میں تفرقۂ خیالات ہی ہے بلکہ دونوں کو ایک یقین کامل ہے کہ یہ جنگ تو اُس وقت تک کریں گے جب تک دم میں دم باقی ہے۔ اور قومی شکست و ہزیمت قومی موت ہے۔

پس دنیا کی کسی جنگ کے ہمراہ مہلک جھگڑے کا ایسا ہولناک احساس نہ تھا جیسا اس جنگ کے ہمراہ ہی۔

بنی نوعِ انسان کو اس مصیبت نے معقول وجوہ کے بدون آکر ہمیں دبوچا ہی۔ پس ایک تعلیم یافتہ شخص کے لیے یہ بات جاننے کی خواہش کرنا کہ اس مصیبت کی کیا وجوہ ہیں ایک قدرتی بات ہونی چاہیے۔ چنانچہ ان وجوہ کی تصریح کی غرض سے بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور ہم اس کتاب کو لکھکر اُن کتابوں کی تعداد میں ایک کتاب اور اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ہندوستان کے چھوٹے درجوں کے طلبار کے لیے لکھی جاتی ہے اور ممکن ہے کہ بڑے درجوں کے طلبار کے لیے بھی وہ کارآمد ہو۔

اس کتاب کا ایک بڑا جز تاریخ سے متعلق ہی۔ موجودہ حالت کی وجوہ زمانہ ماضی میں مدفون پڑی ہیں۔ پس تاریخ ماضی کے مطالعہ سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حالت پر ہم کس طرح پہنچے۔ اتنا ضرور افسوس ہے کہ اس کتاب سے آیندہ زمانہ پر بہت کم روشنی پڑتی ہی۔ تاہم زمانۂ موجودہ کو اُس نے دلچسپی سے بھر دیا ہی اور جتنی آگے کو ہم حرکت کرتے جاتے ہیں وہ ہم کو یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہی کہ ہم کس سمت کو حرکت کر رہے ہیں۔ پس اسی وجہ سے اس کتاب میں بڑا تاریخی مواد موجود ہی۔

رہا جنگ کا مختصر تذکرہ تو وہ تذکرہ فطرتی طور پر حالاتِ موجودہ کو پیشِ نظر رکھکر لکھا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک بھی لکھا گیا ہے اُس کے ساتھ یہ پورا احساس موجود ہی کہ اس کتاب کے حرفوں کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پاسے گی کہ واقعات آگے کو بڑھ جائیں گے اور غیر متوقع باتیں پیش آجائیں گی۔

جے۔ نیلسن فریزر
(پرنسپل ٹریننگ کالج بمبئی)
یکم فروری ۱۹۱۵ء

حصّہ اوّل

زمانۂ ماضی

باب ۔ ۱

جرمنی اور آسٹریا

جرمن نام کی تاریخ

"جرمن" کا نام یورپ کے لوگوں کو دو ہزار برس سے زیادہ سے معلوم ہے۔ مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ نام پہلے کس نے استعمال کیا یا اصل میں وہ کس زبان کا لفظ ہے۔ غالباً یہ نام دریائے رَین کے غرب میں ایجاد ہوا۔ اور یہ نام اُن لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا جو دریائے مذکور کے شمال و مشرق میں رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنے تئیں ڈیوٹیچی کہتے تھے اور اُن کی زبان میں اس لفظ کے معنی قوم کے تھے۔ لفظ "جرمن" اُنھوں نے کبھی استعمال نہیں کیا۔

ٹے سی ٹس رومی مصنف کا جرمنوں کے متعلق بیان

ان لوگوں کا حال ایک رومن مصنف نے جس کا نام ٹے سی ٹس تھا لکھا ہے (سنہ ۹۸ء) اگرچہ یہ لوگ سلطنتِ رُوما کے دشمن تھے مگر ٹے سی ٹس نے اِن لوگوں کا حال لکھنے میں کسی عداوت وعناد سے کام نہیں لیا ہے۔ وہ جرمنوں کی قوت وشجاعت کی تعریف کرتا ہے اور اُن کے شوقِ جنگ کا بہت کچھ حال لکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "جرمنوں کو امن وصلح سے نفرت تھی اور اُن کو جو کچھ خیال تھا وہ جنگ وجدال ہی کا تھا۔ وہ اپنا سردار خود انتخاب کرتے اور یک دل جان نثاری سے اُس کی فرماں برداری کرتے

تھے۔ جس زمانے میں امن و صلح ہوتی وہ گانے اور شراب پینے سے جی بہلاتے۔ اُن کے شہر بڑے نہ تھے نہ وہ صاحبِ حرفہ و فن ہی تھے۔ اُن کی عورتیں باعصمت اور حیادار تھیں۔ وہ مردوں میں آزادی سے آتی جاتی تھیں اور اُن کو مساوات کے ساتھ حقوق حاصل تھے۔ یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اگرچہ جرمنوں کی معاشرت اور اُن کے اطوار میں بہت تبدیلی ہو گئی ہے تاہم بہت سی وہی باتیں باقی ہیں جو دو ہزار برس ہوئے اُن میں موجود تھیں۔ اور غالباً اپنے خون کے اعتبار سے جیسی جرمنوں میں کم تبدیلی واقع ہوئی ہے کسی اور قوم میں ویسی کم نہیں ہوئی ہے دریائے رین۔ ڈینیوب اور وسچیولا کے مابین رہنے والے لوگ براہِ راست اُسی قوم کی اولاد ہیں جس کا ٹےسی ٹس نے ذکر کیا ہے۔

ان تینوں دریاؤں کی حدود کے اندر جرمنوں نے خاموش رہنے پر کبھی قناعت نہ کی۔ تاریخ قدیم کے ابتدائی دور میں جرمنوں کی ایک قوم نے جو ٹیوٹن کہلاتی تھی اٹلی پر ایک سیلاب کی طرح یورش کی اور شہر روم کو بربادی کے خطرے میں ڈال دیا۔ مگر روم کی افواج نے سنہ ۱۰۲ میں قبل مسیح کے ان یورش کرنے والوں کو مغلوب کر لیا۔ لیکن اس موقع پر بربادی سے بال بال بچنا رومیوں کو کبھی فراموش نہ ہوا۔ اور جولیس سیزر جب سنہ ۵۵ میں قبل مسیح کے گال کو فتح کر چکا تو اس نے دریائے رین کو عبور کیا اور جرمنوں پر رومیوں کے نام کی دھاک بٹھال دی۔ رومیوں۔ اور جرمنوں کے باہم کبھی صلح نہ ہوئی۔ ہر فریق کو باری باری سے فتح ہوتی رہی۔ رومیوں نے جرمنوں کو دریائے رین سے مشرق میں تو رکھا مگر دریا کے اس کنارے کے ملک پر قبضہ کر لینا کبھی نصیب نہ ہوا۔ جنگلوں اور دلدلوں میں جرمن۔ رومی افواج کے قابو میں نہ آسکتے تھے۔ اور اگرچہ گال قطعی رومیوں کا ماتحت ہو گیا مگر ملک جرمنی بالکل آزاد رہا۔

سنہ ۱ء سے سنہ ۲ء تک رومیوں کی سلطنت بحر اعظم اٹلانٹک سے لیکر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی اور دریائے رین کے مغرب میں ہر نسل پر اور

دریائے ڈینیوب کے جنوب میں ہر قوم پر رومی حکّام حکومت کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک رومی دنیا وجود میں آگئی تھی جس نے رومی آئین اور شایستگی اور تہذیب کو اختیار کر لیا تھا۔ کئی سو برس تک یہ دنیا خوش حال رہی اور اُس پر اچھی حکومت ہوئی۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیوں اور کیسے ایک عرصۂ دراز کے بعد سلطنتِ رُوما میں عزم و ہمّت باقی نہ رہے اور اُس کے ہنگامِ زوال میں اُس کے دشمن اُس پر حملہ آور ہوئے۔ ان دشمنوں میں سے بہت سے دشمن وہی جرمن تھے جو ایک زمانہ تک رُوم کو دھمکا چکے تھے۔ چنانچہ سنہ ۲۰۰ء سے سنہ ۶۰۰ء تک اُنھوں نے دریائے رہن اور ڈینیوب کو عبور کیا اور سلطنتِ رُوم پر فتح پائی۔

رومیوں کی [illegible] سلطنت

یہ جھگڑا کوئی ایک دن میں تو ختم ہو ہی نہ سکتا تھا۔ یہ تو پُشتہا پُشت تک متصل جاری رہا۔ پس اس کتاب میں ہمارے پاس یہ تک تحریر کرنے کا موقع نہیں ہے کہ ہم اُن خاص جرمنی قوموں کا نام بھی لکھ سکیں جنھوں نے جنوبی یورپ پر تاخت کی تھی۔ ہم صرف دو کا نام لیتے ہیں۔ اور وہ گاتھ اور فرینک تھیں۔

گاتھ اور فرینک

گاتھ سنہ ۴۰۰ء میں اسپین پہنچے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اور اُنھوں نے اسپین پر حکومت کی۔ حتّٰی کہ مسلمان افریقہ سے سمندر عبور کر کے آئے اور سنہ ۷۱۳ء میں اُن کو مفتوح و مغلوب کیا۔ گاتھ کی اولاد اسپین میں آج موجود ہے۔ ان لوگوں کا قد دراز داڑھی سُرخ۔ اور آنکھیں کبودی ہیں۔ اور گاتھ جرمن غالباً اسی وضع کے لوگ تھے۔ فرینک نے فرانس کو فتح کیا۔ اور اپنے نام پر ملک کا نام فرانس رکھا اور اُنھوں نے اپنے ہی سرداروں کو فرانس کا بادشاہ بنایا۔

ان بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ شارلیمان تھا (یعنی چارلس اعظم جو سنہ ۷۶۸ء میں پیدا ہوا تھا اور سنہ ۸۱۴ء میں وفات پائی) یہ صرف فرانس ہی کا بادشاہ نہ تھا بلکہ اُس تمام ملک پر جو پُرانے جرمنوں کے قبضہ میں تھا اور اٹلی کے بہت

بڑے حصہ اور اسپین کے ایک جزو پر فرماں روائی کرتا تھا۔ یورپ کا وہ حصہ جس پر اُس کی حکومت نہ تھی صرف جنوبی اور مشرقی حصہ تھا جس پر قسطنطنیہ سے حکومت ہوتی تھی۔ جہاں ایک زبردست بادشاہ موجود تھا اور پرانی رومی سلطنت کا ایک حصہ اُس کے قبضے میں تھا۔

پہلے جرمن جو سلطنتِ روم پر حملہ آور ہوئے وحشی تھے۔ لیکن شارلیمان کے زمانے تک وہ بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔ انھوں نے روم کی تہذیب کی عزت کرنا سیکھ لیا تھا اور شارلیمان کو یہ خیال پسند تھا کہ اُس کی فرماں روائی سے وہی کام ہو رہا تھا جو رومیوں نے کیا تھا۔ اس لیے وہ اپنی سلطنت کو رومی کہتا تھا اور چونکہ اب جرمن عیسائی ہو چکے تھے وہ اپنی سلطنت کو "پاک رومی سلطنت" کہتا تھا۔ اور اُس نے پاپائے روم سے درخواست کی کہ اُس کی تاجپوشی کی رسم اپنے ہاتھ سے شہر روم میں ادا فرمائیں۔

ہمیں شارلیمان کے نام کی اُسی طرح عزت کرنی چاہیے جیسے ہم یورپ کے بڑے سے بڑے تاجدار کی کرتے ہیں۔ وہ امن وصلح اور اچھی حکومت کا حامی تھا اور مذہب و تعلیم کی بھی اُس نے سرپرستی کی۔ شارلیمان کے دور میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ "زمانۂ تاریک" کا خاتمہ ہوا۔ اور یورپ کی تہذیب و شائستگی کا آغاز ہوا۔ اُس کی حکومت میں جاگیر دینے کا طریقہ تھا۔ وہ امراء اور نوابوں کو جاگیریں عطا کرتا اور یہ جاگیریں خدمات جنگ کے ساتھ مشروط ہوتیں۔ اُس زمانے میں شاید یہی جاگیرداری کا طریقہ ممکن تھا۔ لیکن بعد کو آنے والی صدیوں میں یہ جاگیرداری کا طریقہ جرمنی اور یورپ کے لیے ایک مصیبت ثابت ہوا۔ امراء اور نواب ہمیشہ باہم جنگ وجدل کرتے رہتے تھے اور یورپ کا وسطی حصہ اور خاص کر جرمنی بہت سی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہو گیا۔ جہاں سوائے فسادی امراء کے کسی کو کسی قسم کی قوت حاصل نہ تھی۔ ان امراء کو جنگ کرنے اور مخلوق

کو ٹیکس ہی نہیں بلکہ لوٹ کر پامال کرنے ہی میں لطف آتا تھا۔

شارلیمان کی وفات کے بعد جرمنی کی سلطنت

شارلیمان کی وفات کے بعد ہی جلد اُس کی بڑی سلطنت پاش پاش ہوگئی اور ۸۴۳ء میں خود اپنے فرماں رواؤں کے ماتحت **فرانس** خود مختار ہوگیا۔ شارلیمان کی باقیماندہ سلطنت مختلف جرمنی بادشاہوں کے قبضے میں پہنچی۔ یہ بادشاہ حقیقت میں خود مختار تھے مگر اپنی جماعت میں سے ایک کو اپنا شاہنشاہ منتخب کر لیتے تھے اور اس شاہنشاہ کے طرزِ عمل کی قوت کا اندازہ کرکے کم و بیش اُس کی فرماں برداری کرتے تھے ان شاہنشاہوں میں سے بعض سپاہی بھی ہوئے اور کوہستانِ آلپس کو عبور کرکے جرمنی افواج کو ملکِ اٹلی میں جنگ کرنے کو لے گئے۔ اور جزیرہ نمائے اٹلی کے مسخر کرنے کی امید کی۔ لیکن ۸۰۰ء سے لیکر ۱۰۰۰ء تک جینوا۔ فلورنس اور وینس جیسے بڑے اور مضبوط شہر اٹلی میں پیدا ہوگئے تھے جن کو جرمن فتح نہ کرسکے۔ اور روم کے پاپا بھی جرمنوں کے مخالف رہے۔ پس بہ نظرِ کل "وسطی زمانہ" میں جرمن شاہنشاہوں کی قوت جرمنی تک محدود رہی اور جب کبھی شاہنشاہ کمزور ہوتا تھا تو خود جرمنی کے اندر اُس کی قوت بہت زیادہ نہ ہوتی تھی۔

ہیپس برگ کا خاندان

آخر کار ایک دوسرے طریقے سے ایک زبردست جرمنی سلطنت قایم ہوئی ۱۲۷۳ء میں ہیپس برگ کا خاندان جرمن بادشاہوں میں سب سے زیادہ سربر آوردہ ہوگیا۔ ہیپس برگ۔ آسٹریا میں ایک گانوں ہی اور اسی گانوں کے نام پہ اس خاندان کا نام بھی ہیپس برگ ہوا۔ اس خاندان کے قبضے میں وائنا کے قریب کا ذرا سا ملک ابتدا میں تھا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کی شادیاں اچھی ہوئیں اور خصوصاً ایک کو اُن میں سے ۱۴۷۷ء میں شادی کے ذریعہ سے اسپین کی فرمانروائی تک نوبت پہنچی۔ اُسی کے ساتھ ہی جنوبی اٹلی بھی ملی۔ اور اسی بادشاہ کو ایک دوسری شادی کے ذریعے سے وہ ملک ملا جو اب ہالینڈ اور بیلجیم کہلاتا ہی۔ چنانچہ جرمنی کے

بادشاہوں نے جب اس کو اپنا شاہنشاہ بنایا تو اُس کی حکومت اتنے وسیع ممالک پر تھی جتنی شارلیمان کی تھی۔ اس شاہنشاہ کا نام چارلس خامس تھا۔

مگر چارلس خامس کی سلطنت بہت عرصہ تک قایم نہ رہی اور اُس کا بھی وہی حال ہوا جو شارلیمان کی سلطنت کا ہوا تھا۔ چارلس خامس کی وفات کے بعد اُس کی سلطنت اسپین کے ایک بادشاہ اور ہیبس برگ خاندان کے باہم تقسیم ہوگئی۔ ہیبس برگ خاندان کے پاس آسٹریا کی اپنی سلطنت اور اٹلی کا اُس قدر حصہ جس قدر چارلس خامس کے قبضے میں تھا رہا۔ اسی خاندان کا بڑا بادشاہ اب بھی جرمن کا شاہنشاہ منتخب ہوا۔ لیکن "مذہبی اصلاح کی جنگ" نے اُس کی طاقت کو ہلا دیا۔ چارلس خامس کے عہد میں (۱۴۸۳ء سے ۱۵۴۶ء تک) مارٹن لیوتھر پاپائے روم کے خلاف پروٹسٹنٹ مذہب قایم کرنے کی غرض سے بڑی ہلچل ڈال چکا تھا۔ چنانچہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذہب کے حامیوں میں یورپ کی "جنگ سی سالہ" شروع ہوئی (۱۶۱۸ء یا ۱۶۴۸ء)

یہ جنگ بڑی ظالمانہ تھی اور اس میں دنیا کی تاریخ کو دیکھتے ہوئے نہایت ہی خونریز واقعات پیش آئے ویسٹ فیلیا کی صلح سے جب اس جنگ کا خاتمہ ہوا (۱۶۴۸ء) تو جرمنی نہایت ہی مصیبت زدہ اور تھکی ہوئی حالت میں رہ گیا۔

لیکن اب بھی ایک جرمنی شاہنشاہ خیال کیا جاتا تھا۔ یعنی جرمن بادشاہ اب بھی اپنا شاہنشاہ انتخاب کرتے تھے اور ہیبس برگ خاندان ہی سے منتخب کرتے تھے۔ لیکن آسٹریا سے باہر اس خاندان کا کچھ اقتدار نہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے تئیں ترکوں سے بھی نہ بچا سکتا تھا جو قسطنطنیہ فتح کرچکے تھے اور اب اُنھوں نے دریائے ڈینیوب کے جنوب کا ملک تمام و کمال فتح کرلیا۔ اس شاہنشاہ کا مشرق میں پولینڈ کا ملک بھی دشمن تھا۔ جو ہمیشہ تکلیف دیتا رہتا تھا۔ اگرچہ وہ آسٹریا سے قوی نہ تھا۔

چارلس خامس

جرمن شہنشاہوں کی کمزوری

شمالی جرمنی میں اس شاہنشاہ کا کچھ اختیار نہ تھا۔ اور جرمنی کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ مطلق العنان تھے۔ اور پوری خود مختاری سے حکومت کرتے تھے۔

ہنگری

سلطنتِ آسٹریا کے ایک ضروری حصہ کا جس کا نام ہنگری ہی اب ہم ذکر کرتے ہیں۔ وائنا سے مشرق میں یہ ایک بڑا میدان ہی اور اس میں ہنگری قوم کے لوگ آباد ہیں۔ یہ لوگ ایشیا سے آکر حملہ آور ہوئے تھے۔ یہ دسویں صدی کا واقعہ ہی۔ کئی پشت تک ان کی آسٹریا والوں سے جنگ رہی اور آخر میں یہ لوگ آسٹریا والوں کے کم و بیش مطیع ہو گئے۔ اُن کی اپنی زبان میں اُن کو میگیار کہتے ہیں۔

پروشیا اور فریڈرک اعظم

شمالی جرمنی میں اگرچہ جرمن آسٹریا کا شاہنشاہ کچھ بہت با اقتدار نہ تھا تاہم برائے گفتن وہ جرمنوں کا سردار تھا۔ اب وہ وقت آپہنچا کہ ہیپس برگ خاندان کو پروشیا کی ترقی سے ایک ناگوار تعجب پیدا ہوا۔ یہ پروشیا۔ جرمنی کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ لیکن "زمانۂ وسطی" میں بڑی کشاکشی سے اپنی حیات و وجود کو قایم رکھا تھا۔ اپنی طبیعی مقامی حالت سے وہ کوئی محفوظ ریاست نہ تھی۔ اُس کی زمین بھی کم زرخیز تھی۔ اُس کے پاس دولت حاصل کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا نہ کوئی سمندر ہی اُس سے ملحق تھا۔ پس کسی طرح یہ گمان نہ ہو سکتا تھا کہ جرمنی کے شاہنشاہ "یہاں" ہونگے اور اس کو ایسی ترقی ہوگی۔ مگر پروشیا پر باعزم و ہمت خاندان کے بادشاہوں کی حکومت تھی۔ اور ایک چھوٹے گانوں کے نام پر اس خاندان کا نام بھی ہوہن زولرن تھا۔ اسی خاندان کے ایک بادشاہ نے جس کا نام فریڈرک اعظم تھا (سنہ ۱۷۱۲ء لغایت سنہ ۱۷۸۶ء) یہ ارادہ کیا کہ اپنے آبا و اجداد کی حدود سے قدم باہر نکالے اور پروشیا کو بھی یوروپ کی ایک سلطنت بنا دے۔ یہ موقعہ اُس وقت آپہنچا جب کہ آسٹریا کا جرمن شاہنشاہ مرا اور سلطنت اُس کی نوعمر اور بیکس دختر مئیریا تھریسیا کو ملی۔ چنانچہ فریڈرک نے بڑی سرعت سے بلا پس و پیش اُس کی سلطنت کا ایک زرخیز حصہ

سیلیشیا دبا لیا۔ لیکن میریا تھریسا بھی بڑی باعزم و ہمّت خاتون تھی اور اُس نے سیلیشیا یوں آسانی سے حوالے نہ کر دیا۔ چنانچہ فریڈرک کو متواتر کئی سال تک جنگ کرنی پڑی۔ فریڈرک نے ثابت کر دیا کہ وہ بڑا ذکی سپہ سالار اور لا فتح ارادہ کا شخص تھا۔ اُس کی سپاہ سے آسٹریا اور اُس کے رفیق فرانس کی متحدہ افواج تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ اور اُس کی طرف ہولناک اتلافِ جان ہوا لیکن اُس کو قطعی ہزیمت کبھی نہ ہوئی۔ اور جب صلح ہوئی تو سیلیشیا۔ فریڈرک ہی کے پاس رہا۔ اپنے ملک کا وہ نیک فرماں روا تھا۔ وہ عادل۔ کفایت شعار اور دور اندیش تھا۔ برلن اُس کا دارالحکومت تھا۔ اور اسی زمانے سے برلن کو ترقی ہوئی۔ فریڈرک کی خواہش تھی کہ اُس کی شہرت سپہ سالار اور بادشاہی کی حیثیت سے ہو بلکہ وہ صاحب علم و تہذیب بھی مشہور ہو۔ اور یہ دیکھکر کہ اُس وقت فرانس کے علوم و تہذیب مشہور تھے اُس نے فرانس سے نہایت ممتاز لوگ بُلائے کہ آکر اُس سے ملیں اور اُس کے دارالحکومت کے طرزِ معاشرت میں فرانسیسی رنگ آمیز کریں۔ یہ سچ ہے کہ میدانِ جنگ میں وہ فرانسیسیوں سے جنگ کرتا تھا مگر فرانس کے علوم و فنون کا وہ ہرگز دشمن نہ تھا۔

فریڈرک ہی کے زمانے میں پہلی دفعہ جرمنی کا انگلستان سے واسطہ ہوا۔ اب تک صلح یا جنگ کچھ ہی ہو دونوں ملکوں کے باہم اجنبیت تھی لیکن چونکہ جنگ میں فرانس کے خلاف انگلستان نے فریڈرک کا ساتھ دیا تھا کچھ عرصہ کے واسطے دونوں ملکوں میں بڑے دوستانہ خیالات پیدا ہو گئے تھے۔

اب ہم زمانۂ حال کے قریب پہنچتے ہیں اور یہی موقعہ ہے کہ جرمنوں کے چال چلن پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ٹے سی ٹس نے لکھا ہے کہ جرمنوں کو جنگ کا شوق تھا اور اپنے سرداروں کے جاں نثار تھے۔ اگرچہ اس بات کو اب صدیاں گزر چکی ہیں

مگر جرمنوں کے چال چلن کا وہی حال ہے۔ یوروپ کی کئی صدیوں کی (۲۰۰ سنہ لغایت ۶۰۰ سنہ ع) تاریخ روم کی سلطنت اور اُس کی تہذیب پر جرمنوں کی طولانی اور متواتر حملوں کی ایک داستان ہے۔ جب یہ زمانہ ختم ہوا تو جرمنوں میں حربی بنیاد پر جماعت کی عمارت قایم ہوئی۔ یعنی جاگیر عطا کرنے کا طریقہ نکلا جس کے یہ معنے تھے کہ روزمرّہ کی زندگی کا ایک حصّہ جنگ تھی۔ جرمن سرداروں کی ذاتی جاں نثاری جاگیرداری کے طریقے کے لیے اتحادی قوت کا حکم رکھتی تھی اور یہی شجاعت وجاں نثاری کی روح سپاہیوں کے اخلاقی تخیّل کا ایک خاص جزو بن گئی۔ اور اسی جوش کو ہم جوشِ سپاہیانہ کہتے ہیں۔

جرمنوں کا چال چلن

اِس میں شبہ نہیں کہ جوشِ سپاہیانہ کو پورا کرنے کے لیے اور باتیں بھی ممِدّ ہوئیں۔ جیسا زمانہ گزرتا گیا سپاہیوں کو خود محسوس ہونے لگا کہ سپاہی کو اپنی قوت صرف کمزوروں کو لوٹنے ہی میں صرف نہ کرنی چاہیے بلکہ اپنے ہمسر سے لڑنا اور کمزور کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ اور عالی خاندان کے لوگوں اور شرفا کا تو یہ خاص فرض تھا۔ چنانچہ کم و بیش اس بات پر اتفاق کر لیا گیا کہ جب کوئی عالی خاندان جوان ہو جائے تو اُس کو اُس وقت تک ہتھیار باندھنا اور اپنے تئیں نائٹ (بانکا) نہ کہنا چاہیے جب تک وہ یہ وعدہ نہ کر لے کہ وہ اِن اسلحہ کو سچّے شریفانہ جوشِ سپاہیانہ میں استعمال کرے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ بعض مثالوں میں وعدے نہ کیے جاتے تھے اور اکثر وعدہ شکنی بھی کی جاتی تھی تاہم بہت سے نائٹ بڑی سنجیدگی سے وعدے کرتے تھے۔ صلیبی محاربات (سنہ ۱۱۰۰ ع) کے دوران میں بہت سے نائٹوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ مسیحی مذہب کی طرف داری میں جنگ کریں گے۔ اور ایسا وعدہ کرنے والے نائٹ لوگوں نے اس کام کی غرض سے گروہ قایم کر لیے تھے۔ اور یہ بات "محاربات صلیبی" ہی کے دوران میں دیکھی گئی کہ اِن بہادروں نے دنیا کے لیے سب سے زیادہ مفید و معزز کام کیا۔ بعد کو "نائٹ" صرف ایک نام باقی رہ گیا۔ مگر اُس کی قدر جب بھی ہوتی تھی اور تمام

نائٹ اور جوشِ سپاہیانہ

نائٹ لوگوں کی اعلیٰ صفات میں تنزل

یورپ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی اعلیٰ خاندان میں جوان ہوتا تو نائٹ بنایا جاتا۔ جرمنی میں "زمانہ وسطی" کے دوران میں یورپ کے دوسرے ممالک کی طرح نائٹوں کے افادہ گاہوں اور سپاہیانہ خیالات نے اچھی خدمت انجام دی۔ لیکن جیسا اور دوسرے افادہ گاہوں اور خیالات کا حال ہے نائٹوں کے افادہ گاہوں اور سپاہیانہ خیالات میں بھی رجعت ہوئی۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ "مذہبی اصلاح" کے زمانے میں (۱۵۰۰ء لغایت ۱۶۰۰ء) یہ نائٹوں کے افادہ گاہ اور سپاہیانہ خیالات جماعت کے لیے مفید نہ رہے اور ہر ملک نے بجائے اُن کے کوئی اور چیز دریافت کرنی شروع کی۔ جرمنی کی بدقسمتی تھی کہ ۱۶۱۸ء سے ۱۶۴۸ء تک وہ مذہبی جنگ کی مصیبت میں مبتلا رہا اور اس دوران میں "وسطی یورپ" کے درمیان جذبات اور ظلم کا ایسا طوفان برپا ہوا کہ انسان کی روح خراب ہو گئی۔ نائٹوں کی قائم مقام جرمنی میں کوئی چیز پیدا نہ ہوئی۔ اور جرمنی کی بہت سی ریاستوں میں ایک خودغرض حکمران۔ خوشامدی درباری۔ اور جاہل آدمی باقی رہ گئے یا ذلیل و خوار حالت کے کچھ کاشتکار نظر آتے تھے۔ چنانچہ تمامی اٹھارویں صدی میں سارے جرمنی کے درمیان کسی قسم کی ترقی یا بالیدگی نہ ہوئی۔ تجارتی مرکز صرف شمال میں تھے جہاں بحیرہ شمال اور بالٹک کے ساحلوں پر تجارت کو ترقی تھی۔ انگلستان اور فرانس میں بہت اقسام کے کاروبار اور مشاغل موجود تھے لیکن جرمنی میں کچھ نہ تھا صنعت و حرفت اور تجارت کی مطلق ترقی نہ تھی۔ بحیرہ شمال اور بالٹک کے بندرگاہ پہلے ہی "وسطی زمانہ" میں دولتمند اور آزاد ہو چکے تھے اور ۱۴۰۰ء کے بعد اُن کو کبھی تنزل نہ ہوا لیکن جرمنی میں اس قسم کے صرف یہی مقامات تھے۔ ان تمام صدیوں میں تمامی جرمنی میں کسی فن یا ایجاد کا حال ہمارے سننے میں نہیں آتا۔ ہاں چھاپنے کی ایجاد البتہ ۱۴۵۰ء کے قریب [illegible] جرمنی میں ایک فن [illegible] صدی میں

جرمنی کی موسیقی

جرمنی کی موسیقی نے یوروپ کے فنِ موسیقی کے درمیان ایک اعلیٰ جگہ پائی اور یہ رتبہ اُس کو اب تک حاصل ہے۔ ہمیں یاد ہوگا کہ دو ہزار برس پہلے ٹےسی ٹس لکھ گیا ہے کہ جرمنوں کو موسیقی کا شوق تھا۔

جب (۱۷۸۹ء) فرانس میں "انقلابِ عظیم" شروع ہوا تو جرمنی کے بادشاہوں اور جرمنی شاہنشاہِ آسٹریا نے فرانس کے بادشاہ کو (رعایائے فرانس کے خلاف) فوجی مدد دینے کی حامی بھری اور اسی وجہ سے فرانس کے جمہور اور جرمنوں میں عام جنگ پیش آئی۔ نپولین اعظم کے عروج تک جو اصل میں اٹلی نژاد تھا۔ فرانسیسیوں کو کامیابی نہ ہوی۔ نپولین پہلے تو فرانس کا جنرل تھا اور بعد کو فرانس کا شاہنشاہ ہوا۔ نپولین نے جرمنوں پر جو فتوحات حاصل کیں وہ دُنیا کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ ان فتوحات سے آسٹریا کو (۱۸۰۵ء) آسٹرلٹز میں، اور پروشیا کو (۱۸۰۶ء) جینا میں نیچا دکھایا۔ اس بات سے تعجب ہوتا ہے کہ نپولین کے خلاف آسٹریا اور پروشیا نے اتحاد نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ فریڈرک نے سیلیشیا دبا لیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آسٹریا اور پروشیا میں رنجش چلی آرہی تھی۔ رہی یہ بات

نپولین اعظم اور جرمنی

کہ ان دونوں نے نپولین کے خلاف اتحاد کیا۔ تو یہ اتحاد بہت عرصہ کے بعد اوس وقت کیا۔ جبکہ نپولین کی افواج پر محاربۂ روس میں حادثات پیش آچکے تھے۔ اسوقت تک آسٹریا اور پروشیا دونوں بڑے بڑے نقصان اٹھا چکے تھے یعنی نپولین فرانس کی حدودِ فرمانروائی کو براہِ راست دریائے رین ہی تک نہیں بلکہ رین کے پار ہیمبرگ تک وسیع کرکے لاکھوں جرمنوں کو فرانس کی حکومت کا ماتحت بنا چکا تھا۔ اور جینا کی فتح کے بعد نپولین نے خود پروشیا کے ساتھ بڑی سختی کی تھی۔ یعنی کثرت سے روپیہ اور سامان لیا تھا اور پروشیا کو نہایت قلیل فوج رکھنے کی اجازت دی تھی۔

نپولین نے پروشیا کو مغلوب تو کیا تھا - لیکن پروشیا کسی طریقہ سے نہ تو کمزور ہی ہوا تھا اور نہ اوس کی ہمت ہی ہری تھی - یہ سچ ہے کہ سپاہ میں فریڈرک کے زمانہ کے سے عزم و ہمت نہ رہے تھے تاہم پروشیا کے فرمانروا قابل اور ایماندار تھے اور جب اونکو اپنی غلطیاں معلوم ہوئیں تو اونھوں نے اوسی وقت سے اونکی تلافی کا کام شروع کر دیا - اونھوں نے وہ خیال ایجاد کیا کہ جس خیال پر اس زمانہ کی حربی خدمات کی بنیاد قائم ہے - وہ خیال یہ تھا کہ چند سال تک مردوں کو فوجی تعلیم و تربیت دی جائے اور پھر اون کو محفوظہ فوج کی تہ میں رکھ چھوڑا جائے - پس نپولین کے حکم کے خلاف اونھوں نے کبھی بڑی استمراری فوج نہ رکھی - بلکہ ایک زبردست فوج متذکرہ بالا طریقہ سے اون کی کمک کو اون کے عقب میں ہمیشہ موجود رہی - اور جب نپولین کے خلاف اون کو جنگ کرنے کی نوبت آئی تو وہ اسی محفوظہ فوج کو میدانِ جنگ میں لائے - اس فوج کو مسلح کرنا دشوار تھا کیونکہ ملک نہایت غریب ہو گیا تھا لیکن ہر شخص نے بڑی نفس کشی سے کام کیا اور تمامی قوم نے متحد ہو کر اپنے سب مرد جو ہتھیار اوٹھانے کے قابل تھے شاہنشاہ فرانس نپولین کے مقابلے میں بھیج دئے - یہ آزادی کی خاطر جنگ کی گئی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جس سے دنیا حیرت میں ہو گئی - اور ۱۸۱۵ء میں واٹرلو کی لڑائی سے اس جنگ کا خاتمہ ہوا - جس میں انگلستان اور پروشیا کو - یوروپ کی ہر قوم کے دشمن نپولین پر مشترک فتح ہوئی -

اس فتح کے بعد یوروپ کی فرمانروائیوں نے وائنا میں ایک کانگریس قائم کی تاکہ یوروپ کا نقشہ پھر سے ترتیب دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو جنگ و جدل کے ایک جوکھم کے بعد امن و امان کا دور قائم ہو - یوروپ کے فرمانرواؤں کو اس مقصد میں ناکامی نہ ہوئی - اور تیس برس تک یوروپ کے امن و امان میں کوئی

وائنا کی کانگرس اور اوس کی غلطیاں

خلل واقع نہ ہوا۔ مگر باوجود اس کے وائنا کی کانگریس میں یورپ کے متعلق بہت سے سوال اور مسئلے غیر حل شدہ رہ گئے۔ یہ بدقسمتی کی بات تھی کہ اراکین کانگریس نے اوس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جو فرانس کے "انقلاب عظیم" میں ایک قرین عقل تھی اور اون کو یہ بھی نہ سوجھا کہ انقلابی خیالات میں بعض ایسے خیال تھے جو پایدار تھے اونھوں نے قومی خیال کو (کہ قوم جمہوری حکومت چاہتی تھی) تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اپنے فیصلے میں اوسی زمانہ کی طرف جا پہونچے جو "انقلاب" سے پہلے تھا اور پھر فرمانرواکو۔ جہاں تک ممکن ہوا اوسی قدر ملک دیدیا جتنا فرانس کے "انقلاب" سے پہلے اوس کے تحت و تصرف میں تھا۔ چنانچہ آسٹریا کو اوس کے اٹلی کے مقبوضات معہ ملان اور وینس کے دیدیے گئے۔ پولینڈ اوسی حالت پر چھوڑا گیا جیسا وہ "انقلاب" سے پہلے تھا جبکہ روس۔ پروشیا اور آسٹریا نے اوس کو باہم تقسیم کر لیا تھا۔ فرانس کو اوس حد تک محدود کر دیا جہاں تک لوگ فرانسیسی زبان بولتے تھے۔ پروشیا کو جرمنی شمال میں ہیمبرگ کے بندرگاہ کے بڑا ملک کا قطعہ دیا گیا۔

اس طرح یوروپ کا نقشہ قایم کر دیا گیا اور فرمانروا اپنی اپنی حدود پر کم و بیش قانع ہو گئے۔ لیکن اون کی حکومت ایسی رعایا پر نہ تھی جو بالکل قانع ہوتی۔ کیونکہ "فرانس کے انقلاب" سے۔ ایسے جمہور تک۔ جو اپنی ہی قوم کے فرمانروا کے ماتحت تھے "حقوق انسانی" کے متعلق کچھ سمجھ چلے تھے۔ اور اون کا میلان یہ تھا کہ اپنے فرمانرواؤں سے کچھ ملکی حقوق کے دعویدار ہوں۔ پروشیا میں ایسے حقوق کی توقع کرنے کا جمہور کو خصوصیت کے ساتھ استحقاق تھا۔ کیونکہ یہاں تو تمامی قوم نے ایک نفس واحد کی طرح اپنی رہائی کے لیے کام کیا تھا اور بادشاہ نے فی الحقیقت قوم سے "قومی حکومت" کا وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ وعدہ ہرگز

ایفا نہ کیا گیا۔ "فرانس کے انقلاب" سے پروشیا کے فرمانرواؤں کو بھی یورپ کی دوسری فرمانروائیوں کی طرح تعلیم ہوگئی تھی کہ ملکی حریت کے ساتھ کیسے کیسے خطرات وابستہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ پروشیا اپنے وعدہ سے برابر پیچھے ہٹتا رہا اور اپنے تئیں زیادہ خودسر اور بااختیار بناتا چلا گیا۔ پروشیا کے حریت پسند بیفائدہ چیخ پکار مچاتے رہے۔ لیکن کچھ نہ سنی گئی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مقام پروشیا میں۔ جرمنی کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں۔ اور آسٹریا کی تمامی سلطنت میں۔ حریت کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ نواب۔ بادشاہ اور شاہنشاہ سب اپنے سرداروں کے خودسر فرمانروا بن بیٹھے۔ جرمنی میں یہ زمانہ بڑے امن و امان کا تھا۔ اور اس زمانہ میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ جرمن کسی قدر غیر جنگجو قوم تھے۔ اور اگر اون کو شراب پینے کو اور گانا سننے اور باجا بجانے کو ملتا اور سرکاری عمال اون پر حد سے زیادہ تشدد نہ کرتے تھے تو وہ نہایت خوش رہتے تھے۔ یہ بیان بعض جرمنوں کے متعلق خاصکر جنوبی جرمنی کی ریاستوں یعنی ہیسی۔ بیڈن اور بویریا کے متعلق بالکل صحیح ہے۔ "جنگ سی سالہ" کے بعد سے ان ریاستوں میں اچھی معاشرت باقی نہ رہی تھی۔ اور جب نپولین نے آسٹریا اور پروشیا کو پامال کیا تو ان ریاستوں کو حب الوطنی کا کچھ جوش نہ آیا۔ انھوں نے نپولین کو مدد دینے کی غرض سے سپاہ بھی بھیجی اور روپیہ بھی دیا۔ اون کا یہ طرزِ عمل اون کے پرانے آبا و اجداد کے طرزِ عمل کے خلاف تھا۔ اور یہ تعجب کی بات ہے کہ مختلف وقتوں میں جرمنوں کے چال چلن یا کم سے کم اون کے رنگِ طبیعت میں تبدیلی نظر آتی ہے۔ اور یہ اور بھی تعجب کی بات ہے کہ ان صلح پسند قسم کے جرمنوں کی طرف سے انگریزوں نے ایک جرمن کی طرف سے کیا خیال قایم کر لیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ صدیوں تک یہی جرمن لوگ یورپ کی سب سے زیادہ

جنگجو قوم رہ چکے تھے اور **فریڈرک** اپنے زمانہ کا سب سے بڑا سپہ سالار تھا۔ مگر دوسرے جرمنوں کا وہ حال نہ تھا جو اوپر بیان ہوا۔ ایسے جرمن خصوصاً **پروشیا** میں موجود تھے اور اون کا سردار **پروشیا** کا ایک امیر تھا۔ اس سردار کا نام "**پرنس بسمارک**" تھا۔ (۱۸۱۵ء لغایت ۱۸۹۸ء) وہ تعلقہ دار امراؤں میں سے تھا۔ وجاہت ظاہری کے اعتبار سے وہ قدآور اور تنومند تھا اپنے شباب میں جب وہ کالج میں پڑھتا تھا وہ بڑا لڑاکا اور شمشیر باز تھا۔ تمام عمر وہ سخت اور زبردست ارادہ کا شخص رہا۔ واقعات اور انسان کی شناخت کی اوس کو بڑی بصیرت تھی۔ وہ اپنے مقاصد اور اون کے حصول کے طریقے جانتا تھا اور اگر زور یا مکر و فریب کی ضرورت ہوتی تو وہ ذرا بھی پروا نہ کرتا۔ اور جب دیکھتا کہ موقعہ آگیا ہے تو دونوں کو کامیابی سے استعمال کرنا جانتا تھا۔ لیکن وہ اصلی محبِ وطن تھا۔ اوسکی زندگی کا نصب العین یہ تھا کہ تمام **یوروپ** میں **جرمنی** اول درجہ کی طاقت بن جائے اور تمام جرمنی میں **پروشیا** اول درجہ کی ریاست ہو جائے۔ جہاں تک **جرمنی** سے تعلق تھا **پرنس بسمارک** اوسی درجہ کا قومی محب تھا جس درجہ کا کوئی فرانسیسی انقلاب پسند ہو سکتا تھا۔ لیکن "حقوقِ انسانی" سے اوس کو ہمدردی نہ تھی وہ حریت کے حامیوں کو ایک خود غرض اور ضرر رساں گروہ خیال کرتا تھا جو زبانی اظہار سے **جرمنی** کے اتحاد کے خواہاں تھے لیکن اصل میں اون کا منشا یہ تھا کہ اون کو اقتدار حاصل ہو جائے تاکہ وہ گورنمنٹ کو دِق کریں اور خوشنما تقریروں سے اپنا جی بہلائیں۔ اس کے برخلاف **بسمارک** کا یہ عقیدہ تھا کہ مضبوط حکومت ایک زبردست فرمانروائی کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی۔ اور فرمانروا آزاد ہونا چاہیئے جس پر جمہور کا دباؤ نہ ہو اور اپنی عقل کے بل پر حکومت کرے اور اگر ضرورت ہو تو فرمانروا کی کمک کو ایک زبردست اور جاں نثار سپاہ موجود ہو۔ اور اسی موقعہ پر ہمکو قدیمی جرمنوں کے خیالات جیسی

پرنس بسمارک

بسمارک کی حکمت عملی

کسی چیز کی جھلک نظر آتی ہے۔

بسمارک کی شہرت ۱۸۴۷ء کے قریب اوس وقت ہوئی جبکہ "انقلابی" خیالات کا پھر چرچا ہوا اور بہت سی حکومتوں کی بنیاد ہل گئی اور بہت سی قوموں نے قومی حریت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ آسٹریا کی سلطنت کو ہنگری والوں نے خاص طور سے دھمکی دی اور ہنگری میں خونخوار جنگ واقع ہوئی۔ آخر کار ہنگری کے باشندوں کو آسٹریا جدا پارلیمنٹ دینے پر مجبور ہوا اور اوس کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ آسٹریا کا شاہنشاہ ایک جدا خطاب کے ذریعہ سے ہنگری کا تاجدار ہے اور اوس کو ہنگری کے باشندوں نے خود منتخب کیا ہے۔ اور آسٹریا ہنگری کی سلطنت کو اب ڈیوئل مانرکی (دو تاجوں والی سلطنت) کہتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں پروشیا کے درمیان کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اور شاہی اقتدار بجائے گھٹنے کے بڑھ گیا۔ بسمارک نے آسٹریا کی کمزوری کو کسی قدر حقارت سے دیکھا۔

بسمارک اس زمانہ میں وزیر اعظم تھا۔ اور اُس نے دُنیا پر یہ بات ظاہر کر دینے کا عزم کر لیا کہ جرمن قوم کی خاص سلطنت پروشیا تھی اور آسٹریا نہ تھا۔ چنانچہ اوس نے آسٹریا کے ساتھ شلیس وگ ہولس ٹین کے بندوبست کے متعلق جو ایک چھوٹا سا ضلع تھا اور پروشیا نے ۱۸۶۴ء میں ڈنمارک سے چھینا تھا جھگڑا پیدا کیا۔ آسٹریا کی شمالی جرمنی میں اب بھی کچھ زمین تھی اور آسٹریا کو خیال تھا کہ شلیس وگ ہولس ٹین کے متعلق اوس کا حق تھا کہ اوس سے مشورہ لیا جائے گا۔ مگر بسمارک نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آسٹریا کے مقابلے میں جنگ کا اعلان کیا اور چند ہی ہفتوں کے بعد آسٹریا کو سیڈووا میں فاش شکست ہوئی۔ (۱۸۶۶ء)۔ اس کے بعد ہی آسٹریا شمالی جرمنی خالی کر دینے پر مجبور کر دیا گیا اور یہاں پروشیا کا پرچم لہرانے لگا۔ لیکن بسمارک نے آسٹریا کو

حد سے زیادہ ذلیل نہ کیا - وہ بڑا دور اندیش شخص تھا اور اوس کو یہہ معلوم تھا کہ ایک دن **پروشیا** کو **آسٹریا** کی رفاقت کی ضرورت پڑے گی -

یہ دن جلد آپہونچا - اس زمانہ میں **یوروپ** کے درمیان **پروشیا** کا بڑا رقیب **فرانس** تھا اور **نپولین** ثالث **فرانس** کا شاہنشاہ تھا - **نپولین** اول کی جنگوں کے بعد اب **فرانس** کو سنبھل جانے کا وقت مل چکا تھا اور اُسکو **جرمنی** پر تازہ حملہ کرنے کا خیال تھا - **بسمارک** نے اس حملہ کی امید کا خیر مقدم کیا - اوس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ **فرانس** سے **پروشیا** کی حربی قوت بہت زیادہ تھی اور اوس کو یقین تھا کہ اگر **فرانس** کے ساتھ جنگ کرنے میں **پروشیا** نے پیش پیش حصہ لیا تو پھر تمام **جرمن** دنیا میں کسی کو انکار کرنے کی گنجایش نہ رہے گی کہ **جرمنی** میں **پروشیا** ہی سب سے زیادہ غالب تھا چنانچہ **بسمارک** نے **فرانس** کے احمق شاہنشاہ کو جنگ میں مبتلا کر لیا اور سنہ۱۸۷۰ء میں جنگ شروع کی اور **فرانس** کو ایسی ہزیمت ہوئی کہ وہ برباد ہوگیا - **جرمن** افواج کا سپہ سالار **مولٹکی** تھا جو **نپولین اعظم** کے بعد سب سے بڑا جنرل ہوا - لیکن **فرانس** کے حربی افسر کم قابلیت اور شاید بے ایمان لوگ تھے - اور باوجود فرانسیسیوں کی بڑی شجاعت کے **فرانس** کو فاش ہزیمت ہوگئی - **سیڈین** کے مقام پر **فرانس** کے شاہنشاہ نے ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ اطاعت قبول کرلی - اور ایک ظالمانہ محاصرہ کے بعد **فرانس** کا دارالحکومت **پیرس** - بھی مطیع ہوگیا - اور فرانسیسی حکومت نے جہاں تک ایسی حالت میں ممکن تھا بہترین شرطیں قبول کریں - **بسمارک** نے **فرانس** سے خرچۂ جنگ کے متعلق بیس کروڑ پونڈ وصول کئے - اور اس کے علاوہ **السیس** اور **لورین** کے صوبے اور **میٹز** اور **اسٹراسبرگ** کے قلعے بھی لے لئے -

بسمارک کی فرانس سے جنگ

جرمنی کا دستور اور شہنشاہی سلطنت کا انتظام

یہ صوبے نہایت قدیم زمانہ سے کبھی تو فرانس کے قبضہ میں رہتے تھے اور کبھی جرمن کے۔ سب سے پرانی جرمن اور فرانس کی حد دریائے رین تھا۔ لیکن "زمانہ وسطی" میں جرمنوں نے دریا کے مغرب اپنے قدم مضبوط جما لیے تھے۔ لیکن ایل سیس اور لورین پر فرانسیسیوں کو صرف سترہویں صدی میں قبضہ ملا۔ مگر انیسویں صدی میں ان صوبوں کی رعایا قطعی فرانسیسی ہوگئی۔ اور ان صوبوں پر قبضہ کرنے سے جرمنی نے اس خیال کو جو "انقلاب" کے بعد پیدا ہوا تھا یعنی "قومی خیال" کو برہم کر دیا۔ تمام یوروپ کو ان دونوں صوبوں کے ساتھ ہمدردی تھی اور جرمنی حکومت کو ان صوبوں نے کبھی رضامندی اور خوشی سے قبول نہ کیا۔ مگر جرمنوں نے اپنے اس فعل پر کبھی نہ اظہار تاسف کیا ہے نہ کیا۔ سیڈان کی فتح کا سنہ جرمنوں میں ایک قومی جشن کا سنہ ہے۔ اس فتح کے بعد ہی جرمنی کی شمالی اور جنوبی ریاستوں کو پروشیا کی فضیلت فوراً تسلیم ہوگئی اور پروشیا کا بادشاہ جو اس وقت فریڈرک اول تھا جرمنی کا شاہنشاہ مقرر کر دیا گیا اور اس قسم کے انتظام شروع ہوگئے جن سے متحد جرمن سلطنت پر حکمرانی کی جائے۔ ان انتظامات کی رو سے جرمنی کی ایسی ریاستوں کے جیسے سیکسنی اور بویریا ہیں الگ الگ بادشاہ تو ہیں مگر امور شاہنشاہی سے متعلق جو باتیں ہیں مثلاً محاصل کا وصول کرنا وغیرہ دو مجالس سے متعلق ہے۔ ایک کا نام ریچس ٹیگ ہے اور دوسرے کا بندس رتھ ہے۔ ان مجالس کے ارکین تمام سلطنت سے انتخاب کیے جاتے ہیں۔ ہر ریاست کا پارلیمنٹ جدا ہے تاکہ مقامی امور کا جیسے تعلیم ہے انتظام ہوتا رہے۔ شاہنشاہی مجالس یا مقامی جماعتیں ویسی با اختیار نہیں ہیں جیسا برطانیہ کا ہوس آف کامنس ہے نہ جرمنی کی یہ مجالس اور جماعتیں جمہور کی ویسی سچی قائم مقام ہیں جیسے برطانیہ میں ہیں۔ اعلان جنگ کا اختیار بالکل شاہنشاہ جرمنی کو ہے۔

سلطنتِ جرمنی آسٹریا کی سلطنت کی طرح ہے۔ یعنی تمام حکام کی تقرری گورنمنٹ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ تمامی افسر لایق اور ایماندار لوگ ہوتے ہیں اور جرمنی پر تمام دنیا کے بہتر سے بہتر ملک کی طرح حکومت کی جا رہی ہے۔ تمامی سرکاری انتظامات جیسے۔ ریلوے وغیرہ۔ محفوظ اور آرام دہ ہیں۔ شہر صاف ستھرے اور خوبصورت ہیں اور اُن میں شاندار ہسپتال اور عجائب خانے موجود ہیں اور سیّاح جدھر جاتا ہے اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت عملی اور با عزم لوگوں کے درمیان چل پھر رہا ہے۔

جرمن حکومت سلطنتی کی طرز

اس سے ہمکو جرمنوں کے چال چلن میں ایک اور تبدیلی نظر آتی ہے جو اُن میں واقع ہوگئی۔ اٹھارویں اور ابتدائی انیسویں صدی کا حال دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ جرمنی لوگ غیر عملی لوگ موسیقی اور شاعری کے شایق تھے اور معاملات ملکی اور عموماً معاشرت میں بہت زیادہ ترقی کرنے والے نہ تھے۔ اس میں چاہے جو کچھ صداقت ہو۔ لیکن فرانس پر فتح پاتے ہی تمام جرمن قوم موجودہ عملی زندگی کی طرف جھک پڑی اور وہ صنعت و حرفت کے اعتبار سے ایک بڑی قوم بن گئی۔ چند حرفتوں میں تو ابتدا ہی سے نشو و نما ہو رہا تھا۔ مثلاً کھلونوں کا بنانا۔ اور تمام یورپ کے بچّوں کے لیے اب جرمن ہی کھلونے مہیا کرتا ہے۔ لیکن دوسری جدید حرفتیں بھی تھیں۔ مثلاً لوہے اور فولاد کا کام جس کے اعتبار سے کرُپ کا کارخانہ سب پر فوقیت لے گیا اور اس کے علاوہ دوا سازی اور کیمیائی حرفت تھی۔

۱۸۷۱ء کے بعد جرمنی میں صنعت و حرفت کی ترقی

ان کاموں میں جرمنی کا اس قدر ترقی کر جانا کئی وجوہ سے ہے۔

اول نئے راستوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اس طرح پروشیا کی کم زرخیز زمین میں آلو۔ اور چقندر خوب پیدا ہونے لگے۔ اور جرمنوں نے چقندر سے شکر اور آلو سے شراب بنانے کے عمل کو کمال پر پہنچا دیا۔ چنانچہ ان دو پیداواروں کو

جرمن اب اپنے ہی ملک میں نہیں استعمال کرتے بلکہ اُن کو تمام یورپ میں بڑے نفع کے ساتھ فروخت بھی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ بات ہی کہ اپنے علم کو جرمن نہایت قاعدے کے ساتھ صنعت و حرفت میں کام میں لاتے ہیں۔ چنانچہ کول تار کی ماہیت اور راز پر غور کی گئی اور اُس سے بے شمار اَدْوِیہ اور رنگ بنا لیے گئے۔ اور نیچے اُس نیل نے جو جرمنوں نے کول تار سے پیدا کیا۔ ہندوستان کے نیل کو دنیا کی بازاروں سے معدوم کر دیا۔ تیسری وجہ یہ ہی کہ جرمنوں نے کلوں میں اور خصوصاً خود حرکت کرنے والے انجنوں میں جو سب اقسام سے تعلق رکھتے ہیں اور برقی کلوں میں نہایت ترقی کی۔ چہارم جرمنوں میں بلا کی ترتیب واقع ہوئی ہی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مختلف کاموں اور جگہوں کے لیے اُنھوں نے وہی شخص انتخاب کیے جو اُس کام یا جگہ کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھے اور اُن کو وہی کام جس کے وہ اہل تھے سپرد کیے۔ چنانچہ ہر جرمن کے پاس کچھ نہ کچھ ایسا کام موجود ہے جسے وہ کر سکتا ہی۔

چنانچہ اس حال کے زمانے کے جرمنوں نے ان تمامی معاملات کے اعتبار سے کل دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہی۔ ہم اس سے بڑھکر اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جرمنوں نے اور بھی ترقیاں کی ہیں۔ یعنی جن کو جرمنی کے دوست و دشمن سب نے تسلیم کیا ہی۔ یعنی ذہنی برکات سے آراستہ بہت سے جرمن ہوئے ہیں۔ تمامی اٹھارویں اور اونیسویں صدی میں جبکہ معاملاتِ ملکی کے اعتبار سے زندگی آزاد نہ تھی۔ جرمنی میں کثرت سے ذہنی برکت والے اشخاص موجود تھے۔ جن میں شاعر بھی تھے۔ فلسفی بھی تھے اور مؤرّخ بھی تھے۔ اس کے بعد ہی جرمن میں سائنس داں پیدا ہوئے۔ اور علم کیمیا۔ حکمت اور ریاضی کی دنیا کے وہ رہنما ہوئے اور جرمنی کے دارالعلوم میں ہر ملک سے زیادہ عالم اور سائنس داں موجود ہیں۔ اور معاملۂ تعلیم میں ہم کو بس اسی قدر کہنے کی ضرورت ہی کہ فربی بل "جرمن کا رہنے والا تھا اور آج امریکا کے اسکول

جرمنی کی ترقی کا راز صنعت و حرفت

جرمنی کی ذہنی برکات

جرمنی اسکولوں کے نمونہ پر نظر آرہے ہیں۔

یہ تہذیب وشائستگی کی دولت کچھ تو جرمنوں کے پاس فرانس کی جنگ (سنہ ۱۸۷۰ء) سے پہلے موجود تھی اور باقی اُنھوں نے اس کے بعد حاصل کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کسی قدر روحانی برکت وہ ہاتھ سے کھو بھی بیٹھے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد جرمن بڑے دولت مند ہو گئے اور تجربہ سے اکثر ثابت ہوا ہے کہ "دولت روح کے لیے ایک خطرہ ہے"۔ بہرحال اب جرمنی وہ جرمنی نہیں ہے جیسا وہ پہلے تھا۔ یعنی وہ مذہبی ملک نہیں ہے۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ لوتھر جیسا مصلحِ دین جرمن میں موجود تھا اور "پروٹسٹینٹ مذہب" جرمنی سے ہی پیدا ہوا تھا لیکن اب وہی جرمنی ہے کہ لوتھر کے مذہب کی وہاں عزت باقی نہیں۔ یہ مذہب اب شمالی جرمنی میں برائے نام باقی ہے جس طرح جنوب میں روم کا حال ہے۔ لیکن مذہب کی جگہ عوام کے دلوں میں اب دنیاوی اغراض جاگزیں ہیں۔ جرمنی کے عالموں نے اب مذہب زیادہ تر چھوڑ دیا ہے اور خود اپنے زمانہ حال کے فلسفیوں کی طرفہ تعلیم کی پیروی کرتے ہیں۔

جرمنی میں مذہب

ان فلسفیوں میں مشہور فلسفی نیٹ زشی تھا۔ جو سنہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوا تھا اور سنہ ۱۹۰۰ء میں مرا۔ اُس نے دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا کہ مسیح مکّار اور تکلیف دہ مکروہ شخص تھا۔ وہ نیچے اور نے طبقے کے لوگوں میں سے تھا اور فطرت انسانی کے متعلق اُس کے ذلیل خیالات تھے۔ اور اسی لیے مسیح نے خیال کیا کہ غلام کی طرح ذلیل وحقیر قسم کا آدمی سب سے بہتر آدمی تھا۔ نیٹ زشی کا قول تھا کہ بہترین قسم کا آدمی وہ ہے جو مغرور اور تند و آتش مزاج ہو اور سب سے بڑھکر یہ ہے کہ قوی ہو اور ایسا لایق ہو کہ جو چیز وہ چاہے دوسرے لوگوں سے لے سکے۔ اور وہ ایسی چیز کے لینے کے لایق ہو تو بس اُس پر اُس شخص کا حق ہے کیونکہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔

جرمنی کے فلسفی

جرمنی کے مصنف اور جنگ کی ترغیب

اس تعلیم میں کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن نیٹ زشی نے ایک دلچسپ پیرایہ میں یہ بات کہی ہی اور اس سے بہت سے جرمن خوش ہو گئے۔ کیونکہ یہ تعلیم اُن کے خیالات کے حسبِ حال تھی۔ فرانس پر فتح پانے اور تجارت اور سائنس میں ترقی کر جانے سے اُن کو خیال ہو گیا کہ وہ یوروپ میں سب سے اول درجہ کے لوگ تھے اور اُنھوں نے توقع کی کہ دنیا بھی یہ بات تسلیم کر لے اور جرمنی کے بہت سے مصنفوں نے دنیا کے سامنے یہ کہدیا اور آپس میں تو ایسی بات کہنے سے وہ کبھی تھکتے ہی نہ تھے۔ ان مصنفوں میں خاص مصنف ٹریس چاک تھا اور اُس کی کتاب کے صفحات پڑھنے سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے زمانے کی موجودہ جنگ کس طرح واقع ہوئی اس لیے کہ جس قدر اس مصنف نے جنگ کی ترغیب دی کسی دوسرے ایک شخص نے ویسی ترغیب نہیں دی ہی۔

جرمنی میں جنگ کے مخالف خیال کے لوگ

لیکن جنگ کا مضمون لکھنے سے پہلے ہم یہ دکھاتے ہیں کہ موجودہ جنگ تمامی جرمنوں کی نگاہ میں ایک خیال سے نہیں دیکھی جا رہی ہے۔ سو برس پہلے کے سیدھے سادے امن پسند جرمن اب بھی معدوم نہیں ہیں۔ اور ایسے جرمنوں کی رائے میں یہ جنگ حفاظتِ خود اختیاری کا حکم رکھتی ہی۔ اور اُن کو کسی اور قسم کی جنگ کی پروا نہیں ہی۔ اُن کے خیالات "محارباتِ صلیبی" یا اُس جنگ کی طرف جو روم کے خلاف جرمنوں نے کی تھی نہیں جاتے۔ بلکہ اُن کے خیالات تو اُسی جنگ تک پہنچتے ہیں جو جرمنوں نے آزادی کی خاطر فرانس سے کی تھی۔ ایسے لوگوں کی طرف سے بسمارک کو بڑا تردد رہتا تھا۔ کیونکہ اُس کو خوف تھا کہ یہ لوگ رغبت و رضامندی کے ساتھ فرانس سے جنگ نہ کریں گے اور اسی وجہ سے ان لوگوں کی مدد حاصل کرنے کو اُس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ فرانس جرمنی پر یورش کر رہا تھا۔ چنانچہ ایسے جرمنوں کو آج بھی یہ یقین ہے کہ انگلستان اور روس جرمنی پر حملہ آور ہیں اور ایسا وہ ان

یقین دلانے میں گورنمنٹ جرمنی کو بڑی جانکاہی سے اہتمام کرنا پڑا ہی۔ لیکن بہت سے جرمن ایسے بھی ہیں جو اس قسم کا حیلہ حوالہ کچھ بھی نہیں کرتے اور ابھی ہم بتاتے ہیں کہ اُن کا کیا خیال ہے اور وہ کیا کہتے ہیں۔ لیکن ہم کو یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہی کہ جرمنی مقاصدِ جنگ کے اعتبار سے ایک منقسمہ ملک ہی اور بعض ایسے جرمن موجود ہیں جن کے متعلق بدترین بات جو ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہی کہ انھوں نے اپنے ہمسایوں کی نیت کے متعلق ایک بدنصیب غلطی کی ہے۔ اگر جرمنی دنیا کے سامنے ایک مضبوط۔ حلم دوست اور محبِّ وطن قوم کے مانند قایم رہنے پر قناعت کرتا اور اپنے آبائی ملک کی حفاظت رکھتے ہوے جرمنی سے باہر کسی اور کو ضرر پہنچانے کی جستجو نہ کرتا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری دُنیا بھی متحد ہو کر اُس پر حملہ کرنے کی جرارت نہ کرتی۔

آؤ اب یہ دیکھو کہ جرمنی کے اُس فریق کا جو پیش پیش ہے اصل مدعا اور تجویز کیا ہے۔ جرمنی کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوے ہم کہہ چکے ہیں کہ سب سے خاص لکھنے والا ٹریس چک ہی لیکن جو خیالات اُس نے ظاہر کیے ہیں وہ تنہا اُس کے نہیں ہیں۔ یہ خیالات "پان جرمن لیگ" کے ہیں جو ایک پشت سے ان خیالات کو پھیلا رہی تھی اور تمام نوجوان جرمنوں کے یہی خیالات ہیں اور شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں یہی خیالات تھے۔

"جیسا ہر ملک کے محبانِ وطن کا حال ہی۔ یہ قدرتی بات ہی کہ ان خیالات میں جرمن تہذیب و شایستگی کے نہایت ہی بلند خیال شامل ہیں چنانچہ جرمنی کے شاہنشاہی اور حکّامی طریقِ حکومت میں خصوصًا پروشیا کی انتہائی صورت میں حکومت کا نظام نہایت ہی اعلیٰ ہی۔ ترتیبِ جماعت کے اصول کو جیسا جرمنوں نے سمجھا ہے ویسا کسی ملک نے نہیں سمجھا ہے۔ چنانچہ کسی دوسری جماعت کا جرمنوں کی حکومت کے تابع ہو جانا نفع کی بات ہی۔ چاہے یہ جماعت افریقہ کے حبشیوں کی ہو

جرمنی خیالات

یا سنگٹاؤ کے چینیوں کی ہو یا الجیس اور لورین کے فرانسیسیوں کی ہو۔ یہ جرمنوں کا ہی مقدر تھا کہ وہ ہر مقام پر دنیا کو یہ بات سکھائیں کہ تہذیب وشائستگی کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے۔

اس کے علاوہ جرمنی خود پھیلنے کا مستحق ہے اور جرمنوں کو ضرور پھیلنا چاہیے کیونکہ ان کو ضرورت ہے اور پھیلنے کو نئے نئے میدان کھولنے کی ان میں طاقت ہے جرمنی میں اب کروڑوں جرمنوں کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ ان کے سامنے بہت سے ایسے ملک ہیں جو مُردوں سے بھرے پڑے ہیں یا جہاں لوگ مُردہ ہو رہے ہیں یا اب تک وحشی اور غیر مہذب ہیں۔ پس برباد مقامات کو بسانے اور ان کو کارآمد بنانے سے کیا جرمنی اجتناب و پرہیز کرے گا؟۔

اگر جنگ کا یہی مطلب ہے تو جنگ کا مقابلہ ہونے دو۔ ایک قوم کی زندگی میں جنگ ضروری ہے۔ جنگ آدمی کی طاقت بڑھاتی اور اپنے ملک کے لیے جاں نثاری کی تعلیم دیتی ہے۔ کامیاب جنگ سے بڑھکر کسی قوم کے لیے کوئی مقوی دوا نہیں ہو سکتی۔ پس خونریزی اور اسی کی طرح دوسری باتوں سے خائف ہونے کے لیے ہم کو عذرِ لنگ پیش کرنا نہ چاہیے۔ اور وہ کمزور اور بودے ہیں جو جھوٹے عذر پیش کیا کرتے ہیں۔ ایک جدی قوم تو جنگ کو اپنی خوش حالی کا ایک ذریعۂ حصول یقین کرے گی۔

جو لوگ ایسا کہتے یا ایسا خیال کرتے تھے پرنس بسمارک ان میں شریک نہ تھا۔ فرانس سے جنگ کے بعد اس کا کام ختم ہو گیا۔ یعنی براعظم یورپ میں اس نے جرمنی کو نہایت اعلی درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ اور اس کے لیے بس یہی کافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرانس کا انتقام خوابیدہ نہ تھا اور ہمیشہ یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ فرانس یورپ کی دوسری طاقتوں سے اتحاد اور جتھہ بندی کرے گا۔ پس جرمنوں کی سب سے

بسمارک کی حکمت عملی سے اختلاف

عاقلانہ حکمت عملی یہ تھی کہ ان طاقتوں سے دوستانہ قایم رکھے۔ نوآبادیوں پر قبضہ کرنے کا بسمارک کو لالچ نہ تھا۔ انگلستان سے اُس کا کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اگر بسمارک کی راے پر عمل کیا جاتا تو جرمن مقبوضات کو وسعت نہ دیجاتی اور اس پیمانے پر جنگ نہ ہوتی جیسی آج ہورہی ہے۔ لیکن جرمنی کی نئی نسل نے اپنے اصولوں کی پابندی کی اور نئے مقامات پر اُن کو عمل میں لائے اور بسمارک اور اُس کی ہدایت کو ایک طرف کر دیا اور شاید تاریخ نے وہی راستہ اختیار کر لیا جس کا بسمارک کو اندیشہ تھا۔

موجودہ قیصر ولیم ثانی

اس تبدیلی کا پہلا بانی موجودہ قیصر ولیم ثانی ہے جو ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوا ہے۔ وہ ہنوز نوجوان ہی تھا کہ تخت نشین ہوا۔ اور اُس نے بہت جلد بوڑھے وزیر اعظم بسمارک کو برخاست کر دیا اور اُس وقت سے قیصر ولیم نے خاص اپنی حکمت عملی اور اصولوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ قیصر ولیم کے ذاتی چال چلن کے متعلق کوئی مشکل سے خامہ فرسائی کر سکتا ہے اور خصوصاً جہاں اختصار منظور ہو۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ قیصر ولیم کا چال چلن کئی پہلو رکھتا ہے دوسرے اُس کا نظر آنا دشوار ہے۔ قیصر ولیم شجاع ہے اُس کو اپنی ذات پر اعتماد ہے اور کام کرنے کی اُس میں لامحدود قابلیت ہے۔ اُس کی اصلی قابلیت کا کوئی اب تک اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم کو معلوم ہوگا کہ ملکی توڑ جوڑ کے اعتبار سے وہ کامیاب نہیں ہوا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ایک بڑا جنرل ہے۔ غالباً اُس میں یہ عیب ہے کہ دوسرے لایق لوگوں کے ایسے کاموں میں جو اُن کے عہدوں اور فرائض سے متعلق ہیں وہ اتنی مداخلت کرتا ہے جتنی کرنی نہ چاہیے۔ لیکن قاعدے کے موافق یقیناً اُس نے بہت بڑے گروہ کو اپنے ساتھ ہموار کر لیا ہے اور اگر جرمنی کو اس جنگ میں کامیابی ہوگئی تو آنے والی نسلیں تاریخ میں قیصر ولیم ثانی کو نہایت ممتاز جگہ دیں گی۔

قیصر ولیم کا ذاتی کارنامہ بس اسی قدر ہے کہ اُس نے جنگی جہازوں کا ایک جرمنی بیڑہ بنایا ہے۔ اگرچہ ابتدائے ایّام سے جرمنوں کے پاس دو ایک بندرگاہ تھے لیکن بحری فوج نہ تھی۔ پروشیا کا سمندر سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور ہیمبرگ کا بندرگاہ اُس کو بعد کو ملا تھا اور کیل اُس کے بھی بعد کو قبضہ میں آیا تھا۔ بسمارک بحری معاملات کی طرف توجہ نکرتا تھا۔ پس بحری معاملات کی طرف سے توجہ اور بیداری پیدا کرنا موجودہ قیصر ہی کی ذات سے متعلق ہے۔ اپنی ابتدائی فرماں روائی میں بیڑے کو وہ انگلستان کی مخالفت سے منسوب کرتا ہو یا نہو لیکن جرمن نو آبادیوں کا خیال اُس کو بہت جلد پیدا ہو گیا تھا اور اُس نے جلد دیکھ لیا کہ بدون جنگی جہازوں کے بیڑے کے جرمن کا نو آبادیوں پر قبضہ مضبوطی کے ساتھ کسی طرح نہ ہو سکتا تھا۔

جرمنی میں بحری قانون ۱۸۹۸ء میں پاس ہوا اور اسی سال سے جرمنی بیڑے کی ابتدائی تاریخ سمجھنی چاہیے اس قانون کی رو سے جہازوں کی تعمیر کے واسطے ایک بڑی رقم علیحدہ کر دی گئی اُس وقت سے اسی کام کے واسطے بڑی بڑی رقمیں علیحدہ کی جاتی رہیں۔ اور جب برطانیہ نے بڑی توپوں کے جنگی جہاز جن کو "ڈریڈ ناٹ" کہتے ہیں ایجاد کیے اور بحری قوت میں ترمیم شروع کی گئی تو جرمنی نے ایسے جہاز اُسی سرعت سے بنائے جیسے برطانیہ نے بنائے تھے۔ اور جرمنی کے جہاز رانوں کو برطانیہ کے جہاز رانوں کے مانند تکمیل کے ساتھ تعلیم دی گئی۔

وہ نو آبادیاں جن کا شاہنشاہ جرمنی اور غالب فریق کو خیال تھا لفظ آبادی کے صحیح مفہوم کے اعتبار سے نو آبادیاں نہ تھیں بلکہ وہ گرم ممالک میں مقبوضات تھے۔ ایسے مقبوضات یوروپ کے ممالک کے لیے اس لیے مفید ہیں کہ اُن سے ایسی اشیا جیسے ربڑ وغیرہ مہیّا ہوتی ہیں جو زمانہ حال کی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اور شاید یوروپ کے بہت سے لوگوں کا یہ دھندلا خیال ہے کہ وہ شان ریاست جس کا زمانہ حال سے

تعلق ہے اِن مقبوضات ہی میں حصّہ لینے پر منحصر ہے - اور جرمنی بھی ایسا حصّہ لینے کو گرم ممالک میں پہنچا اور انگلستان سے سودا کرنے پر اُس کو جزیرہ ساموا بحرِ اعظم پاسفک میں اور ملک کا کچھ حصّہ مشرقی اور مغربی افریقہ میں ہاتھ آیا - پھر دو اور مقامات نظر کے سامنے آئے - پہلا ملک چین تھا جہاں چینیوں نے حماقت سے چند پادری مار ڈالے تھے اور معاوضہ میں جرمنی نے سِنگٹاؤ کا ضلع لے لیا اور شان ٹنگ کے صوبے میں حقوق حاصل کیے اور اس سے وہ عملی طور پر جرمنی کے قبضہ میں ہو گیا (۱۸۹۷ء)

ہمیں اس موقع پر لکھ دینا چاہیے کہ اس کارروائی سے جرمنوں نے قومی خیالات کی طرف سے جیسا ہم اُن میں پہلے دیکھ چکے اندھا پن ظاہر کیا - یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جرمنوں کا حقیقت میں یہ منشا تھا کہ چین کو دشمن بنا لیں لیکن جرمنوں نے یہ نہ پہچانا کہ اُن کے طرزِ عمل سے چینی ناخوش ہو جائیں گے - جرمنوں کی سپاہ چینیوں کے مقابلہ میں بہ نسبت دوسری قوموں کی سپاہ کے زیادہ بے رحم ثابت ہوئی - اور شان ٹنگ میں جو حقوق اُنھوں نے طلب کیے وہ جابرانہ تھے مثلاً وہاں اُن کو ریل بنانے کا حق دیا گیا تو اُنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ریل کے دونوں طرف دس دس میل تک ساری زمین جرمنوں کے قبضہ میں رہے گی - گو جرمنوں نے چینیوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ بھی کرنا چاہا یعنی اُنھوں نے وہاں عمدہ عمدہ مدارس کھولے جہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی - لیکن چینیوں کے علاوہ جرمنوں کا طرزِ عمل یوروپ کی دوسری طاقتوں کی بھی ناراضگی کا باعث ہوا یعنی تمامی طاقتوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ چین کے کسی حصّہ پر قبضہ نہ کیا جائے گا اور سب سے پہلے اِس معاہدے کو جرمنی نے شکست کیا - اور سب سے آخر میں یہ ہے کہ جرمنوں نے یہ نہ دیکھا کہ اُن کے چال چلن سے جاپان کس قدر ناخوش ہوگا - یا شاید اُنھوں نے اس کی پروا نہ کی

جرمنوں کی کوتاہ اندیشی

جرمنی اور مشرق قریب

اور غلطی سے یہ خیال کر لیا کہ جاپان میں اتنی کافی قوت نہ تھی کہ اُس کی رائے کا لحاظ کرنا ضروری ہو۔ چنانچہ جرمنی سیاسی صیغہ نے دونوں غلطیوں کا اظہار کیا۔

ایک اور مقام جس کا اپنے آیندہ کے لیے جرمنوں نے ذہن میں نقشہ اُتارا وہ "مشرقِ قریب" تھا۔ یہ وہ قطعۂ ملک تھا جس پر ترکوں کی فرماں روائی ہو اور جو قسطنطنیہ سے دریائے فرات تک پھیلا ہوا ہو۔ جرمنی نے ترکوں سے بزور ملک چھیننے کی تجویز نہ کی۔ اور حقیقت میں یہ بات صحیح صحیح بتانا کہ جرمنی کے خیال میں کیا بات تھی ناممکن ہے مگر یہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جرمنوں کا یہ ارادہ تھا کہ آخر کو ٹرکی اُن کا ایک باجگذار ماتحت بن جائے جہاں جرمنی افسروں نے اُسی قسم کی کارروائیاں کیں جیسی انگریزی حکّام ہندوستان میں آج کرتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ترکی سلطنت کا بہت سا حصّہ جو آج ریگستان ہے کبھی زرخیز اور آباد تھا۔ بُری حکومت نے اُس کو ویران کر دیا ہے لیکن اچھی حکومت سے وہ پھر اپنی اصلی حالت پر پہنچ سکتا ہے اور جرمنی کی وادیٔ فرات کی اصلی نوآبادی کا خیال غالباً بہت سے دماغوں میں پھرا ہو۔

جرمنی اور جنوبی امریکا

اور آخر میں یہ بات ہو کہ اپنے جنوبی امریکا کے مقبوضات کے متعلق بھی جرمنوں کا ممکن ہے ایسا ہی خیال ہو اور اسی لیے بہت سے جرمن اپنے گھنے آباد شہروں کو چھوڑ کر بسنے اور کام کرنے کو جنوبی امریکا میں چلے جاتے ہیں اور یہ شہری جرمنی افواج سے کھو جاتے ہیں۔ ایسا خیال کیا گیا ہے کہ جرمنی مدبّروں نے اِن لوگوں کو پھر دوبارہ حاصل کرنے کی غرض سے ملکِ برازیل کے کچھ حصّہ پر اپنا سیاہ عقاب کا جھنڈا کھڑا کر دینے کا منصوبہ کیا ہے۔ لیکن اس فعل سے جرمنی کی ممالکِ متحدّہ امریکا سے جنگ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن ایسا منصوبہ خیال ہی میں رہا اُس نے عملی صورت اختیار نہ کی کیونکہ جن باتوں میں جرمنی پہلے سے مصروف تھا

وہی اُس کو ہمہ تن متوجہ رکھنے کو کافی تھیں اور اُن کی وجہ سے جرمنی کا دوسری قوموں سے جھگڑا ہونے والا تھا۔

سب سے پہلے تو یہ کارروائیاں برطانیہ ہی کو ناپسند تھیں۔ برطانیہ کے جرمن کی طرف سے بہت عرصہ سے دوستانہ خیالات تھے اور برطانیہ جزیرۂ سوما اور افریقہ کے مقبوضات کے حاصل کرنے میں جرمنی کے راستہ میں حائل نہ ہوئی۔ جرمنوں کے مقابلے سے برطانیہ کی تجارت کو نقصان تھا لیکن اس سے بھی برطانیہ نے اپنی وضع نہ بدلی۔ حتیٰ کہ خود جرمنی نے برطانیہ کی دشمنی کا اپنی طرف سے ایسا اعلان کیا کہ پھر غلطی کی گنجائش باقی نہ رہی۔ یہ بات جنگِ بوئر میں واقع ہوئی (۱۸۹۹ء لغایت ۱۹۰۲ء) اس جنگ سے قبل ہی قیصر نے پریسیڈنٹ کوژوگر کو اپنا مشہور ہمدردی کا تار بھیجا اور دوران جنگ میں جرمنی کے اخباروں نے برطانیہ کے خلاف دشمنی سے جو جو نہ لکھنا تھا لکھا اس بات میں شبہ ہے کہ قیصر اپنی ذات سے بھی اس میں شریک ہوا یا نہیں اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کی "نوجوان پارٹی" اس معاملہ میں قیصر کے خیالات سے آگے بڑھ گئی۔ لیکن پارٹی کے خیالات کے متعلق تو کوئی شک باقی نہیں ہے۔

جرمنوں کا جنگِ بوئر کے وقت برطانیہ کے خلاف شور

ان لوگوں کے بقول انگلستان جرمنی کی قرین انصاف جاہ طلبی کے راستہ میں حایل ہی اور وہ انگلستان ہی ہی کہ جرمنی کی منقسمہ اور کمزور حالت کے زمانہ میں دنیا کے عمدہ سے عمدہ ممالک پر قابض ہو بیٹھا اور وہ انگلستان ہی ہی جو چین اور ٹرکی میں جرمنی کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ وہ انگلستان ہی کا بیڑہ ہی جو ہر مقام سے جرمنی کے تعلقات قطع کر دیتا ہی۔ انگلستان ہی ہر جگہ اُس کا دشمن ہے۔ اس قسم کے جرمنوں کو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ کیا یقین ہے یعنی وہ انگلستان سے ڈرتے زیادہ ہیں یا انگلستان سے اُن کو نفرت زیادہ ہی۔ وہ انگریزوں کے چال چلن پر نفرت کی

جرمنی کا خیال ہے کہ انگلستان اس کی ترقی میں برطانیہ حائل ہے

بوچھار کرتے ہیں۔ اُن کو اس بات میں شک ہے کہ انگریزی سپاہی لڑ بھی سکتے ہیں یا نہیں اور آیا انگلستان کے شہری جنگ کے متعلق قربانیوں کا مقابلہ بھی کریں گے یا نہیں۔ وہ انگلستان کی تاریخ کی ابتدا سے آخر تک ورق گردانی کرتے ہیں اور اُس میں اُن کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں ملتا کہ "خوش قسمتی نے ایک احمق اور جوان قوم کو لوگوں کی میراثوں پر قبضہ دیدیا ہے"۔

اس میں شک ہے کہ یہ قیصر کے خیالات ہیں یا نہیں حقیقت میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر انگلستان کو سچّی پسندیدگی کی نظر سے دیکھ چکا ہے اور اُس نے اعلان کیا ہے کہ امن کا وہ ہمیشہ سے دوست ہے۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اپنے ایسے اعلانوں میں قیصر بالکل سچّا ہے تاہم اُس کی سمجھ میں یہ ہرگز نہیں آیا ہے کہ امن اور صلح پسند مزاج کا مطلب کیا ہے۔ وہ صرف ایسی صلح کی حکمتِ عملی کی قدر کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جس سے اپنے طریقے پر جرمنی ہر چیز کو حاصل کر لے اور دوسری قومیں جرمنی کے سامنے کان نہ ہلائیں۔ اپنی سپاہ کو چین جاتے وقت قیصر نے ایک اڈریس دیتے ہوئے کہا تھا کہ "کہ سچّا جرمنی طرزِ عمل یہ ہے کہ اگر کوئی جرمن کا راستہ کاٹ کر نکلے تو مسلّح ہاتھ کے گھونسے سے اُس کی خبر لی جائے"۔ یہ جملہ تمام بنی نوعِ انسان کے خیال پر اثر کر گیا ہے اور دنیا میں ہر شخص جو جرمن نہیں ہے اس کو اپنے چہرے پر ایک مُشت محسوس کرتا ہے۔

چند سال سے جرمنی کو محسوس ہونا شروع ہوا تھا کہ دوسری قوموں کی رائیں اُس کی طرف سے جوش میں آ رہی تھیں۔ اور یہ جرمنی کو پہلی دفعہ اُس وقت معلوم ہوا جبکہ مراقش کا واقعہ پیش آیا۔ مراقش افریقہ کے شمال و مغربی گوشہ پر واقع ہے۔ اور اُس کے یورپی تعلقات ایک عرصہ سے فرانس کے اختیار میں چلے آتے تھے۔ انگلستان نے فرانس کے اختیار کو تسلیم کر لیا۔ لیکن قیصر بذاتِ خود وہاں جا پہنچا اور سلطانِ مراقش سے ملاقات کی اور اصرار کیا کہ مراقش کے تمامی معاملات ایک کانفرنس کے

فرانس اور جرمنی

سپرد کیے جائیں جس میں جرمنی کے وکیل بھی موجود ہوں۔ فرانس نے اس دعوے کو مان لیا اور انگلستان نے بھی مان لیا اور ۱۹۰۵ء میں یہ کانفرنس ہوئی۔ اس سے قیصر کا خاص منشا یہ معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کو وہ ذلیل کرے۔ کیونکہ مراقش سے قیصر کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اور چند سال بعد جبکہ انگلستان اور فرانس میں بہت دوستی تھی قیصر پھر اسی منظر پر نمودار ہوا کہ فرانس کو دوبارہ ذلیل کرے۔ یعنی اُس نے ایک دم سے اعلان کر دیا کہ فرانس اُن وعدوں پر جو اُس نے کانفرنس میں کیے تھے قایم نہ رہا اور اسی حجت سے سزا دینے کے طریقے پر ۱۹۱۱ء میں اُس نے اغادیر کے بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ بندرگاہ مراقش کے مغربی ساحل پر واقع ہے اور قیصر کا منشا تھا کہ جرمنی جہازوں کے لیے کوئلہ لینے کا یہ مقام مقرر کر دیا جائے۔ اس موقع پر بھی فرانس نے یہ بندرگاہ دیکر صلح قایم رکھی۔ بعد کو فرانس نے جرمنی کو افریقہ میں کچھ زمین دیدی اور جرمنی نے یہ بندرگاہ چھوڑ دیا۔ لیکن ہر مقام پر یہ خیال کیا گیا کہ اس دفعہ جرمنی کو شکست ہوئی کیونکہ بندرگاہ اُس نے اپنے قبضہ میں نہ رکھا۔ وطن میں جرمنوں کو بہت غصہ آیا اور اُن کو نفرت ہوئی۔ اور تمامی نسل کے لیے یہ پہلا موقعہ تھا کہ اُن کے قبضہ سے وہ چیز نکال لی گئی جس کو وہ قبضہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ اور جرمنی نے اس کا الزام انگلستان پر رکھا کیونکہ اس زمانہ میں انگلستان سے فرانس کی دوستی اور رفاقت کا اعلان ہو چکا تھا۔

اب ہم اُس موقع پر پہنچ رہے ہیں جہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو بین الاقوامی جنگ کا باعث ہوئے۔ پس اب ہم جرمنی کی عام تاریخ کو چھوڑتے ہیں اور دوسری طاقتوں کی تاریخ شروع کرتے ہیں جو جنگ میں مصروف ہیں۔

باب دوم

فرانس ۔ بلجیم ۔ اور اٹلی

فرانس

رومیوں کا فرانس پر قبضہ

انگریزوں کو فرانس کی تاریخ انگریزی پہلو کی طرف سے معلوم ہے اور فرانس کی تاریخ برِّ اعظم یورپ کے لحاظ سے اُن کو نسبتاً بہت کم معلوم ہے ۔ ایک لمحہ کے واسطے ہم برِّ اعظم یوروپ کی سمت نظر ڈالتے ہیں ۔

فرانس کے پہلے باشندے گال قوم کے تھے ۔ ان لوگوں نے بھی جرمنوں کی طرح اٹلی پر ایک دفعہ سے زیادہ یورش کی تھی ۔ ایک دفعہ اٹلی کے دارالسلطنت روم کو فتح بھی کر لیا تھا (سنہ ۳۹۰ قبل مسیح) جب روم قوی ہو گیا تو اُس نے اپنی باری میں گال پر یورش کی (سنہ ۵۸ قبل مسیح) اور ان لوگوں کو فتح کر لیا ۔ اور سب سے پہلا بڑا رومی سردار جو ملک میں داخل ہوا وہ جولیس سیزر تھا اور اُس نے ہمارے لیے فرانس کے لوگوں کا نہایت عمدہ تحریری حال چھوڑا ہے ۔ وہ لوگ کوتاہ قامت سیاہ فام تھے اور دراز قد گورے رنگ کے جرمنوں کی ضد واقع ہوئے تھے ۔ لیکن اپنی شایستگی اور شوقِ جنگ کے اعتبار سے وہ جرمنوں کی طرح تھے ۔

ان لوگوں کے درمیان رومیوں نے اپنی زبان ۔ قوانین اور اطوار کو ایسا مضبوطی سے قایم کر دیا کہ گال ایک دفعہ سے ہمیشہ کے واسطے جرمنی سے

بہت مختلف ہو گیا۔ جب رومی سلطنت کو زوال ہوا (سنہ ۴۰۰ء کے قریب) اور جرمنوں نے دریائے رہن کو عبور کیا تو بہت سے جرمن اور خاصکر فرینک گال میں آباد ہو گئے اور فرینک کے نام پر ملک کا نام فرانس ہوا اور پہلے فرماں روا بھی فرینک تھے۔ لیکن ان حملہ آوروں نے فرانس کی لاطینی زبان جلد سیکھ لی اور اُن کا رہن پار کے جرمنوں سے تعلق قطع ہو گیا۔ فرانس دیسی بادشاہوں کے قبضہ میں آگیا (سنہ ۸۴۳ء) اور ایک متحد خود مختار ملک بن گیا۔

دوسرے ممالک کی طرح فرانس میں بھی جاگیرداری کا طریقہ قایم ہو گیا اور رقیب بادشاہوں کے باہم جنگ و جدل کو ترقی ہوگئی۔ خاندان برگنڈی اور فرانسیسی بادشاہ کے درمیان نہایت سخت اور طولانی جنگ واقع ہوئی۔ برگنڈیوں نے انگریزوں سے اتحاد کر لیا اور انگریز اُن کی مدد سے قریب قریب فرانس کے مالک ہو گئے۔ مگر باوجود اپنی چند بڑی فتوحات کے انگریز فرانس پر قبضہ قایم نہ رکھ سکے اور جنگِ "صد سالہ" کے بعد جو ۱۳۳۷ء میں شروع ہوئی تھی تمامی مقبوضات فرانس کے قبضہ میں واپس چلے گئے۔ پس ان جھگڑوں سے فرانس ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ نہ ہوا۔ حتّٰی کہ اصلاحِ مذہب کے متعلق جو جنگ پیش آئی فرانس اس مذہبی جرمنی جنگ سے بھی کنارہ کش رہا۔ یہ سچ ہے کہ ایسا اس لیے ہو سکا کہ پروٹسٹنٹ لوگ فرانس سے خارج کر دیے گئے تھے اور اس سے فرانس کے ہاتھ سے بہت مفید شہری جاتے رہے جو انگلستان کو مضبوط کرنے کے لیے چلے گئے۔ بہرحال فرانس کو "جنگِ سی سالہ" جیسی کسی چیز سے نقصان نہ پہنچا۔ لوئی چہاردہم کے زمانہ میں (۱۶۴۳ء لغایت ۱۷۱۵ء) فرانس ترقی کر کے بڑے جاہ و جلال کو پہنچ گیا اور علم و فن میں یورپ میں سب سے آگے نکل گیا۔

فرانس پر رومیوں کا اثر

جنگِ صد سالہ و سی سالہ

بدقسمتی سے لوئی چہاردہم نے دوسری سلطنتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اُس کے دَور میں جارحانہ بے اصول جنگ ہوتی رہی۔ اُس کو ایک عرصۂ دراز تک کامیابی ہوتی رہی اور یہ کامیابی اسپین اور جرمنی کے مقابلہ میں ہوئی اور اُس کو صرف اُس وقت ناکامی ہوئی جبکہ انگلستان میدان میں آیا۔ "جنگِ صد سالہ" کے بعد سے فرانس اور انگلستان کے باہم اب تک جنگ نہ ہوئی تھی اور اب دوبارہ دونوں میں ایک طولانی جنگ کا آغاز ہوا۔ ولیم سوم کی فتح سے (۱۶۸۸ء) یہ جنگ شروع ہوئی اور پہلی دفعہ لوئی کو یہ شکست ہوئی ہے اور اس جنگ کا پیرس کی صلح سے ۱۷۶۳ء میں خاتمہ ہوا۔ جنگ کا پہلا مقصد یہ تھا کہ لوئی کے پنجہ سے ہالینڈ بچایا جائے۔ انگلستان کا بادشاہ ولیم۔ ہالینڈ ہی کا رہنے والا تھا۔ لیکن یہ جنگ ممالکِ غیر کے مقبوضات کے لیے جلد رنگ بدل گئی۔ اور اس معاملہ کے اعتبار سے فرانس کی ہزیمت کے ساتھ اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو ہندوستان سے نکال دیا اور امریکا کی فرانسیسی نو آبادیوں کا بھی انگلستان ہی مالک ہو گیا۔

ان نقصانات اور اُن ٹیکسوں کی وجہ سے جو ان نقصانوں کے سبب سے جمہور پر قایم کیے گئے تھے اور اسی کے ساتھ بدنظمی نے فرانس کی رعایا کو بادشاہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا اور اسی بغاوت کا نام "انقلاب" ہے (۱۷۸۹ء)۔ چنانچہ جمہور نے بادشاہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور فرانس میں رعایا نے جمہوری حکومت قایم کر لی۔ ہم کو اپنے دل سے سوال کرنا چاہیے کہ وہ کیا چیز تھی جو جمہور کے مدِ نظر تھی اور ہم کو معلوم ہوگا کہ دو چیزیں تھیں جو اس حکومت کے حامی مانگتے تھے اور جن کا اکثر ذکر کرتے تھے۔

ایک تو "حقوقِ انسانی" تھے۔ مگر اب بھی یہ بتانا مشکل ہے ممکن ہے کہ

اُن لوگوں کے نزدیک ان الفاظ کا کیا مفہوم تھا جنھوں نے ان الفاظ کو ایجاد کیا تھا یا اُن لوگوں کی ان الفاظ سے کیا مراد تھی جو ان کو اُس وقت کے بعد سے استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور اس کا تو مذکور ہی کیا ہے کہ ان لوگوں کا مطلب و مدعا کیا ہونا چاہیے تھا یا کس قسم کی فرماں روائی اور آیئن کی وہ منظوری دیتے ہیں۔ ان تمامی امور پر شدّت سے بحث ہوئی ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ امور کبھی طے بھی ہونگے یا نہیں۔ لیکن کم سے کم "حقوقِ انسانی" میں جیسا انقلاب پسندوں کا دعویٰ ہر ہر شخص کا حق شامل ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ اُس پر کون حکومت کرے گا اور کن قوانین سے حکومت کی جاے گی۔ اور ان انقلاب پسندوں نے ہر حکومت کو اس حق سے خارج کر دیا کہ وہ اپنی رائے سے فرماں روائی کرے جب تک کہ وہ رعایا کی راے کا لحاظ نہ کرلے۔ حقوقِ انسانی

دوسرا "قومی خیال" ہے۔ کہ ہر قوم کو خود اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال "حقوقِ انسانی" سے بہت قریب ملا ہوا ہے کیونکہ جو قوم خود اپنا فرماں روا منتخب کرے گی وہ دوسری قوم کا اجنبی فرماں روا کیوں انتخاب کرنے لگی۔ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ فرانس کے کل انقلاب پسند "قومی خیال" کے حامی ویسے ہی تھے جیسا کہ اُن کو ہونا چاہیے تھا۔ برخلاف اس کے اُن میں سے بہت سے اس بات پر آمادہ تھے کہ خودسر بادشاہوں اور شاہنشاہوں کی طرح دوسری قوموں کو پامال کر ڈالیں۔ تاہم باوجود ان باتوں کے "قومی خیال" کا چرچا فرانس کے انقلاب کے ساتھ شروع ہوا اور اُس کو انقلاب کا ایک جزو خیال کرنا چاہیے۔ قومی خیال

فرانس کا "انقلاب" شاید شروع ہو کر فرانس ہی میں ختم ہو جاتا۔ لیکن جب اس انقلاب نے فرانس کے بادشاہ کی جان اور آزادی کو خطرے میں

ڈال دیا تو قرب وجوار کے بادشاہ پریشان ہوئے اور انھوں نے فرانس کے بادشاہ کی مدد کے لیے ہتھیار اُٹھائے۔ اس کا فرانس کے جمہور نے یہ جواب دیا کہ نہایت خوفناک عزم وہمت سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ اُن کو نپولین جیسا جنرل ہاتھ آگیا۔ اور اُس کو انھوں نے بہت جلد اپنا آقا بنا لیا اور نپولین کی سلطنت میں جمہوری حکومت معدوم ہوگئی (نپولین کو شاہنشاہ کے لقب کا کوئی خاص حق نہ تھا۔ لیکن یہ لقب اُس نے پُرانے رومی شاہنشاہوں کی تقلید میں اختیار کیا تھا اور ان رومی شاہنشاہوں کے بعد جرمن شاہنشاہ بھی ایسا ہی کر چکے تھے۔)

نپولین کے خلاف جنگ کرنے میں برطانیہ بھی پیچھے نہ رہی۔ انگلستان کی گورنمنٹ انقلابی خیالات کو ناپسند کرتی تھی اور جب نپولین کی طاقت بڑھی تو انگلستان کی گورنمنٹ کو یہ معلوم ہوا کہ فرانس سے باہر نپولین تمام قوموں کو پامال کرنا چاہتا تھا۔ فرانس کے مقابلہ میں برطانیہ اُس وقت بہت چھوٹی قوم تھی اور برّاعظم یوروپ میں وہ کوئی عظیم الشان فوج نہ اُتار سکتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے انگریزی فوج نے بہ ماتحتی ویلنگٹن صاحب نپولین کے مارشلوں کو اسپین سے نکال دیا۔ برطانیہ کا روپیہ نہایت کثرت سے یوروپ کے لوگوں کی مدد میں صرف ہوا اور برطانیہ کے جہازوں نے فرانسیسیوں کو سمندروں سے نکال دیا۔ اور برطانیہ اور جرمنی کی متحدہ افواج نے آخری قطعی واٹرلو کی جنگ میں فتح پائی (۱۸۱۵ء)

اس کے بعد سو برس تک فرانس اور انگلستان میں صلح رہی لیکن یہ پوری صدی دوستانہ کی نہ تھی کیونکہ ایجن کورٹ بلین ہیم اور واٹرلو کی شکستوں کی یاد فرانس کے دل سے محو نہ ہوئی تھی۔ اور پچھلی صدی کے آخر میں باہمی

فرانس سے برطانیہ کی ایک اور وجہ مخالفت

نزاع کا ایک موقعہ پیش آگیا۔ فرانسیسیوں کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ بحر روم میں وہ اول درجہ کی طاقت ہوجاتے۔ جب اُن کو جرمنوں نے بڑی شکست دی (سنہ ۷۱-۱۸۷۰ء) اور اُس کے اثر سے فرانسیسیوں کو افاقہ ہوا تو بحر روم کے ساحل پر اُنھوں نے اپنا اثر بڑھانا شروع کیا۔ چنانچہ قسطنطنیہ۔ شام۔ مصر۔ الجزائر میں یا تو فرانسیسیوں کی حکومت تھی یا اُن کا اثر تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بحر روم ایک فرانسیسی جھیل ہوجائے گا۔ اس تجویز میں جس نے سب سے پہلے مداخلت کی وہ انگلستان تھا۔ انگلستان کی خواہش کے قطعی خلاف فرانسیسیوں نے سنہ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز بنائی۔ اور انگلستان نے اس کا یہ جواب دیا کہ مصر پر دخل کر لیا تاکہ نہر سویز پر دباؤ رہے۔ اس سے فرانس اور انگلستان کے باہم نہایت کشیدگی واقع ہوئی اور ایک موقعہ پر تو قریب بہ جنگ کی نوبت آگئی۔

اسی اثنا میں دونوں کو معلوم ہوا کہ اُن کا مشترک دشمن جرمنی تھا۔ فرانس کے زخم اپنے دو صوبوں ایلسیس اور لورین کے نکل جانے سے ہنوز ہرے تھے۔ جرمنوں کا قسطنطنیہ میں ایسا اثر ہوچکا تھا کہ فرانس کی وہ امیدیں جو ملک شام سے متعلق تھیں معرض خطر میں پڑ گئی تھیں۔ جرمن کا انگلستان سے مقابلہ کو تیار ہوجانا اوپر لکھا جاچکا ہے۔ اسی زمانے میں آنجہانی ملکہ وکٹوریہ نے سنہ ۱۹۰۱ء میں رحلت فرمائی اور مرحومہ کے ساتھ ہی اُس ہمدردی کا خاتمہ ہوگیا جو انگلستان کے دربار کو جرمنی کے ساتھ تھی۔ ایڈورڈ ہفتم فرانس کے دوست اور مداح تھے اور آپ کی رہنمائی سے فرانس اور انگلستان کے باہم رشتۂ اتحاد اور مستحکم ہوگیا۔ بڑا معاملہ جو فرانس اور انگلستان کی باہمی رنجش کا تھا وہ یہ تھا کہ انگریزوں نے مصر پر دخل کر رکھا تھا اور انگلستان نے اس کو نظرانداز

نہ کیا اور ایسی شرائط پیش کیں کہ فرانسیسیوں نے اُن کو منظور کر لیا اور یہ طے ہو گیا کہ مصر کا معاملہ دونوں قوموں کی آیندہ رنجش کا سبب نہ ہوگا۔ کچھ اور بھی باہمی رنجش کی باتیں باقی تھیں اور اُن کے متعلق بھی باہمی صفائی ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں اُس من سمجھوتے کا وجود ہو گیا جسے تاریخی اصطلاح میں "اِن ٹن ٹِی کارڈیل" کے نام موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاحی نام اپنے معنے کے مفہوم کے اعتبار سے باہمی اتحاد سے کسیقدر کم ہے تاہم ایک ایسا معاہدہ ہے کہ دونوں قومیں مل کر کام کریں۔ یہ ممکن ہے کہ دنیا کو ابھی اس معاہدے کی شرائط تمام و کمال معلوم نہ ہوں۔ تاہم یہ بات اسی معاہدہ کا نتیجہ ہے کہ **فرانس** اپنے بیڑے کو بحر روم میں اور برطانیہ بحر **شمال** میں ایک مرکز پر جمع کرنے کے قابل ہوئے اور دونوں فریق نے اُن اطراف میں ایک دوسرے کے مقاصد کو کسی قدر محفوظ کرنے کا ذمہ کر لیا اور غالباً یہ بھی طے ہو گیا کہ اگر جرمنی حملہ آور ہو تو فریقین کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔

مارسیلی

جب فرانس کے جمہور نے **انقلاب** برپا کیا اور جرمنی کے بادشاہوں نے جمہور کے خلاف **فرانس** کے بادشاہ کو فوجی مدد دینے کی دھمکی دی تو قومی ترانہ جسے "مارسیلی" کہتے ہیں لکھا گیا۔ اس ترانہ کا نام "مارسیلی" اس وجہ سے رکھا گیا کہ سپاہیوں نے سب سے پہلے اُسے شہر مارسیلس میں گایا تھا۔ اور اُسی زمانہ سے فرانسیسیوں کا یہ قومی ترانہ چلا آتا ہے۔ اُس کا اُردو میں ترجمہ حسب ذیل ہے:-

اے سورماؤں کے خلف مشہور بیٹوں میں جو ❖ مرجاؤ یا فاتح بنو۔ آگے بڑھو۔ آگے بڑھو
اعدا کا پرچم دیکھنا اُڑتا ہے کس میدان میں ❖ قبریں بنائی جائیں گی اب اُن کی جس میدان میں
کیا سُن رہے ہو شور و غل اعداء کے ہتھیاروں کا تم ❖ کیا سُن رہے ہو غُلغلہ منحوس للکاروں کا تم؟

بڑھتے چلے آتے ہیں وہ۔ ہے قتل کا عزم صمیم ٭ کردیں۔ یہی ارمان ہے۔ بچّے ہمارے وہ یتیم

ہر جنگجو بس ہاتھ میں بدلے کی اک تلوار لے
سیراب کر ڈالے زمیں دشمن کے خوں کی دھار سے

ساحل پہ اپنے کل تلک امن و اماں کا دور تھا ٭ فوجوں کا قاتل ٹڈی دل کس جا سے یہ آج آگیا؟
زنجیریں کس کے واسطے لیتے ہوئے آئے ہیں وہ؟ ٭ سرسبز میدانوں میں جن کو کھینچتے لائے ہیں وہ
اے نونہالانِ فرانس، آئے ہیں چڑھ کر لا کلام ٭ زنجیریں یہ بنوائی ہیں تا باندھ لیں۔ کرلیں غلام
منصف ہے تو باذ الجلال۔ آئے نہ ذلت کا وبال ٭ آزاد پیدا ہیں ہوئے ہیں ہم سب کے سب "دانِ گال"

ہر جنگجو بس ہاتھ میں بدلے کی اک تلوار لے
سیراب کر ڈالے زمیں دشمن کے خوں کی دھار سے

ہاں جنگ کی شدت میں غصّے سے جب اندھا کرے ٭ سچّا سپاہی ہے وہی۔ مغلوب کو جو امن دے
لیکن کھلے میدان جب دشمن کی یہ نوبت ہوئی ٭ یعنی کہے وہ التجا۔ "ہاں ہاں اطاعت میں نے کی"
تم جان اوسکی بخش دو لیکن تعاقب قبر تک ٭ کرتے ہو سردار کا اس کو نہ چھوڑو تا فلک
دکھلائی جس نے اور کو منحوس یہ اپنی نظیر ٭ یعنی ہوس میں دودھ کی ڈالے وہ چھاتی ماں کی چیر

ہر جنگجو بس ہاتھ میں بدلے کی اک تلوار لے
سیراب کر ڈالے زمیں دشمن کے خوں کی دھار سے

بلجیم

بلجیم کا نام اتنا ہی پرانا ہے جتنا جولیس سیزر کا۔ جس نے لکھا ہے کہ بلجیم کے باشندے گال قوم سے ہیں۔ بلجیم والوں کو رومیوں نے ۵۷ سنہ میں قبل مسیح کے فتح کیا اور بلجیم رومی سلطنت کا ایک حصہ ہوگیا اور پھر سنہ ۸۰۶ء میں یہی بلجیم شارلیمان

کی سلطنت کا ایک جزو ہوا۔ اور جب شارلیمان کی سلطنت پاش پاش ہوئی تو بلجیم فرانس کے قبضہ میں نہ رہا بلکہ جرمنی کے پاس چلا گیا اور آخر کار آسٹریا کی سلطنت کا ایک جزو ہوا۔ نپولین نے آخر میں بلجیم کو آسٹریا سے چھین کر فرانس سے اُس کا الحاق کر لیا۔

۱۸۱۵ء میں نپولین کی لڑائیوں کے بعد یورپ کی طاقتوں نے یہ تجویز کی کہ فرانس اور جرمنی کے درمیان ایک بادشاہت حایل کر دینی چاہیے چنانچہ بلجیم اور ہالینڈ کی بادشاہت قایم کر دی گئی۔ لیکن دونوں قوموں یعنی بلجیم اور ہالینڈ والوں کی زبانوں مذہبوں اور مقصدوں میں حد سے زیادہ اختلاف تھا اور وہ متحد نہ رہ سکتی تھیں اور آخر کار ۱۸۳۰ء میں بلجیم نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اُس کی خود مختاری یورپ کی تمامی طاقتوں نے تسلیم کر لی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ بلجیم غیر جانب دار رہے۔ (۱۸۳۹ء)۔ یہ تجویز صرف بلجیم ہی کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے نہ کی گئی تھی۔ بلکہ جرمن فرانس اور انگلستان کے نفع کے غرض سے بھی کی گئی تھی۔ صدہا سال تک بلجیم کے قبضہ کے متعلق فرانس اور جرمنی میں جھگڑا رہا تھا۔ پس اگر تمامی طاقتیں اپنے دعاوی سے دست بردار ہو جائیں تو یورپ سے آئے دن کا جنگ کا جھگڑا مٹ جاتا۔ اُس وقت انگلستان کو ان ممالک کی طرف سے نسبتاً کم دلچسپی تھی لیکن آج ایسا حال نہیں ہے۔ برطانیہ اپنے ذاتی مقاصد کی وجہ سے یہ نہیں چاہتی کہ بلجیم پر جرمنوں کا قبضہ ہو جائے اس لیے کہ بلجیم کے ساحل برطانیہ کے ساحلوں کے سامنے ہیں۔

جنگ سے پہلے بلجیم کی برابر دنیا کا کوئی ملک گنجان آباد نہ تھا۔ اور شیشہ۔ اون اور لوہے کی وہاں بڑی دست کاری تھی۔ پس کوئی ایسا ملک نہ تھا جہاں بلجیم کی طرح جنگ کا مصیبت اور نقصان کے اعتبار سے ایسا فوری اثر پڑتا جیسا بلجیم پر

پڑ سکتا تھا۔ بلجیم میں بہت سی عمدہ عمدہ عمارتیں بھی تھیں۔ اور ان میں دو رِ زمانۂ وسطیٰ کے فنِ تعمیر کے بعض نہایت اعلیٰ نمونے تھے۔ مثلاً ایپرس کے ہال اور گنبد۔ یہ اب برباد ہوگئے۔ بعض۔ مگر نہایت ہی چند۔ ان میں سے ممکن ہے کہ پھر تعمیر کر لیے جائیں لیکن برباد شہروں کا پھر تعمیر کرنا ایک پشت سے ممکن نہیں ہے اور یہی خیال بلجیم کی دستکاری کا خیال کرنا چاہیے۔

زمانۂ موجودہ کی جنگ سے نقصان

اٹلی

ایسی قوم تو دنیا میں ہی ہی نہیں جو کم و بیش مخلوط نہ ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اٹلی کے باشندے سب سے زیادہ مخلوط ہیں۔ اور تمام یورپ میں جیسے اٹلی کے باشندے سب سے زیادہ مخلوط ہیں اسی طرح جرمنی کے باشندے سب سے کم مخلوط ہیں۔

اٹلی کے باشندے مخلوط ہیں

باقاعدہ تاریخ شروع ہونے سے قبل اٹلی میں نہایت عالی شان تہذیب شائستگی موجود تھی۔ اور جب تاریخ شروع ہوئی تو اُس وقت اٹلی کا یہ حال تھا کہ گال قوم تو شمال میں آباد تھی۔ وسطی حصہ میں لاطینی لوگ رہتے تھے اور یونانی جنوب میں آباد تھے۔ انھیں مختلف الاقوام لوگوں کے درمیان شہر روم پیدا ہوا۔ (۷۵۳ قبل مسیح) ابتدا ہی سے روم میں بہت سے اجنبی اور دوسرے ممالک کے لوگ آباد ہوئے۔ انھیں لوگوں کے درمیان رومی تمدن کا نشو و نما ہوا اور اُسی نے رومی سلطنت کو پیدا کر دیا۔

روما کی قدیم تہذیب

اس چال چلن کی دو تین خصوصیات یہاں پر بیان کرنا ضروری ہیں یعنی رومی بنی نوعِ انسان میں سب سے زیادہ عملی لوگ تھے۔ وہ کسی نہ کسی قسم کا پیشہ کرنا پسند کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے ایک شریف آدمی کاشتکار یا سوداگر کیوں نہ ہو۔

رومیوں کا چال چلن اور خصوصیات

اور وہ ہر ایک ایسی چیز کی قدر کرتے تھے جس سے کاروبار۔ آسایش اور تندرستی میں ترقی ہو۔ اُنھوں نے ایسی سڑکیں۔ نالے۔ پُل اور آب رسانی کی عمارتیں تعمیر کیں جو آج دو ہزار برس گزر جانے پر عمدہ حالت میں موجود ہیں۔ ابتدا ہی سے اُنھوں نے قانون کی طرف توجہ کی اور تمامی تاریخ پڑھ جایئے یہی ثابت ہوگا کہ وہ نظامِ قانون کو برابر مکمل کرتے چلے گئے۔ اسی کے ساتھ وہ بڑے شجاع بھی تھے اور ایک ہزار برس تک (۷۵۳ قبل مسیح لغایت ۲۷۰ عیسوی) اُنھوں نے کوئی ایسی جنگ نہ کی جس میں آخرکار وہ دشمن پر غالب نہ آگئے۔ اُن کے بہت سے دشمن تھے۔ لیکن ان سب کا یہی حشر ہوا کہ مغلوب ہوے۔ اور اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور رومی سلطنت کے شہری بن گئے۔

رومیوں کی سلطنت کی وسعت

لفظ "سلطنت" رومیوں نے ایجاد کیا ہے۔ اور پہلے اُس کے معنی "حکومت کرنے" کے تھے۔ اور آج ہم اس لفظ کا اطلاق اُس حکومت پر کرتے ہیں جس کے تحت بہت سی مختلف ریاستیں اور قومیں ہوں۔ دریاے رین اور ڈینیوب کے جنوب اور دریاے فرات کے مغرب میں رومیوں کی سلطنت ہر مقام پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس تمام خطّہ میں دنیا نے اپنے قوانین اور خیالات روم ہی سے حاصل کیے۔ اور سلطنت کے مغربی حصہ نے تو رومیوں کی زبان بھی اختیار کرلی۔ یعنی گال۔ اسپین اور اٹلی میں ایک قسم کی لاطینی زبان بولی جاتی تھی۔

سلطنت روم پر جرمنوں کا حملہ

مشرق میں خاص زبان یونانی تھی اور یہ حصہ رومی سلطنت کا آخرکار ایک جدا سلطنت بن گیا جس کی بنیاد ۳۳۰ء میں پڑی اور اُس کے فرماں رواؤں نے دارالحکومت کو قسطنطنیہ میں قایم کیا۔ اس کے بعد رُوم کی قدیمی سلطنت خاتمہ کے قریب آپہنچی اور مختلف جرمنی قوموں نے اپنے پے در پے حملوں سے اُس کو ریزہ ریزہ کردیا۔ اس بربادی کے زمانے کو یوروپ کا "زمانۂ تاریک" کہتے ہیں اور اٹلی میں کئی صدیوں تک

سلطنت روم پر جرمنوں کا عمل

وہ قایم رہا۔ (سنہ ۴۷۶ء لغایت سنہ ۱۸۰۰ء) ان صدیوں میں اٹلی کم و بیش جرمنوں کی حکومت میں رہا۔ اور خاصکر آسٹریا کی اُس پر فرماں روائی رہی۔ مگر بعض شہر ایسے مضبوط تھے کہ ان کی بدولت یورپ میں اٹلی کا جدا وجود قایم رہا۔ ان شہروں میں خاص جینوا اور وینس تھے۔ جن میں قلعے بھی تھے اور جن کی تجارتی کوٹھیاں بھی تمام بحر روم پر تھیں اور یوروپ میں بڑے نفع کے ساتھ تجارت ہو رہی تھی۔ وینس حقیقت میں آسٹریا کا کبھی مطیع نہ ہوا اور اُس کی آزادی صرف نپولین نے چھینی (سنہ ۱۷۹۷ء)

اٹلی کا ایک متحدہ ریاست ہونا

اس تمام زمانے میں یہ خیال کبھی کسی کے سر میں نہ آیا کہ کوئی ایسا سبب بھی موجود تھا کہ اٹلی کو ایک متحد اور آزاد ملک ہونا چاہیے لیکن فرانس کے "انقلاب" کے ساتھ "قومی خیال" پیدا ہوا اور اٹلی کے باشندوں نے اپنے حق میں اُس کا استعمال شروع کیا۔ تمامی اونیسویں صدی میں وہ نہایت آہستہ آہستہ آگے کو بڑھے اور بڑی سخت دشواری سے اس خیال کو ایک اصل شکل میں لانے کی طرف ترقی کی۔ پہلے تو اُن کو اپنے ہی گروہ کا ایک سردار مل گیا تھا اور آخر کار اُن کو پیڈمانٹ کا ایک بادشاہ ملا۔ لیکن وہ کسی طرح سے ایسا قوی نہ تھا کہ آسٹریا سے جنگ کرتا۔ لیکن جب سنہ ۱۸۵۹ء میں فرانس نے اُس کی مدد کی تو اٹلی نے آسٹریا کی حکومت کا جُوا گردن سے اُتار کر پھینکا۔ اور اس کے بعد روم پھر اٹلی کا پایہ تخت بنا (سنہ ۱۸۷۰ء)

اٹلی کی حالت کشاکشی

اُس زمانہ سے اٹلی برابر ایک کشاکشی کی حالت میں رہا۔ اُس نے دنیا میں آہستہ آہستہ ترقی کی گروہ غریب تھا اور اُس کو ہمیشہ یہی شک رہا کہ یوروپ کی کونسی طاقت واقعی اُس کی دوست تھی۔ فرانسیسیوں نے جب آسٹریا کے مقابلہ میں اُس کو امداد دی تھی تو اٹلی کا ایک مغربی ٹکڑا اپنے قبضہ میں کر لیا تھا اور اسی وجہ سے اور نیز دوسری وجوہ سے اٹلی فرانس کا بہت زیادہ مشکور نہیں ہے

اس کے سوا فرانسیسیوں کی ترقی سے جو اُن کو افریقہ اور بحر روم کے قریب دوسرے مقامات میں ہو رہی ہے اٹلی کو رشک ہے آسٹریا کو وہ پسند نہیں کرتا کیونکہ ٹریسٹ پر اب بھی آسٹریا کی حکومت ہے اور فی الحقیقت یہ وہ مقام ہے جہاں اٹلی کی زبان بولی جاتی ہے۔

جب سنہ ۱۸۷۰ء میں جرمنی فرانس کو بڑی ہزیمت دے چکا تو اُس کے چند برس بعد اٹلی نے جرمنی اور آسٹریا سے ایک معاہدہ کیا اور اس کا نام "اتحاد ثلاثہ" رکھا گیا۔ اور اس معاہدے کا منشا یہ تھا کہ وسط یوروپ میں حالت غیر متبدل رہے۔ اس اتحاد میں اٹلی اس لیے شریک ہوا تھا کہ اُس کو فرانس کی طرف سے شک تھا۔ لیکن بعد کو ایسا معلوم ہوا کہ اٹلی والوں کی آسٹریا کے ساتھ جو پرانی عداوت تھی اُس میں پھر جان پڑنے لگی۔ جب یہ موجودہ جنگ چھڑی تو جرمنی کو واثق یقین تھا کہ اُس کا اتحادی اٹلی اُس کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گا۔ مگر اٹلی والوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر جرمنی کو فتح ہوئی تو اُن کو کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور اسی لیے اٹلی نے غیر جانب داری کا اعلان کر دیا۔ اب اٹلی کی موجودہ حالت عجیب سمجھ میں نہ آنے والی حالت ہے۔ اگر جرمنی کو فتح ہوئی تو اٹلی کو ٹریسٹ ہرگز نہ ملے گا اور اگر متحدین کو فتح ملی تو یونان اور بحر ایڈریاٹک کے پار کی ریاستیں مضبوط کی جائیں گی جو سلاو قوم کی ہیں۔ اور یہ اٹلی کے حق میں کسی طرح سے مفید نہیں ہے۔ پس اٹلی والے معاملات کی رفتار غور سے دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کو امید ہے کہ مُلکی توڑ جوڑ اُن کو اس قابل کر دے گا کہ جنگ کے ہیولی سے اٹلی کو بھی کچھ مل جائے جہاں تک خیالات کا حال ہے جمہور کا خیال "اتحادیوں" کے ساتھ ہے۔ لیکن اٹلی کی گورنمنٹ اور اسی سے سرکاری خزانہ کی طرف نظر ڈال رہی ہے اور خیال کر رہی ہے کہ وہاں بہت تھوڑی رقم ہے۔

باب سوم

روس، پولینڈ، ٹرکی اور ریاست ہائے بلقان

روس

سلافی زبانیں

یورپ میں تمامی روس اور پولینڈ میں سلاوی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہی حال سرویا۔ بلغاریہ۔ بوہیمیا اور آسٹرو ہنگری کے ماتحت صوبوں کا ہے۔ یہ زبانیں اُسی زبانوں کے گروہ سے متعلق ہیں جو مغربی یورپ کی ہیں۔ یعنی آرین گروہ کی زبانیں۔ لیکن اُن لوگوں کا جو یہ زبانیں بولتے ہیں دوسرے یورپ والوں سے چال چلن جُدا ہے اور درحقیقت چال چلن کے اعتبار سے وہ آپس میں بھی مختلف ہیں۔

روس کی ابتدائی تاریخ

ان لوگوں میں سب سے بڑا گروہ روسیوں کا ہے۔ روس کی قدیم تاریخ ہم کو بہت کم معلوم ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا روسی جو آج موجود ہیں حقیقت میں اُنھیں سیتھین لوگوں کی اولاد سے ہیں جن کو یونانی اور رومی اچھی طرح جانتے ہیں اور وہ بحر اسود کے پار بڑے میدانوں کے رہنے والے تھے۔ روس کے پہلے لوگ جو مشہور ہوئے "شمالی لوگ" تھے جن کا ابتدائی وطن اسکینڈی نیویا تھا اور جنھوں نے بعد کو انگلستان اور فرانس کا شمالی حصہ فتح کیا۔ روس میں بھی وہ حملہ آوروں کی حیثیت سے داخل ہوئے (قریب ۸۰۰ء کے) لیکن اُنھوں نے ملک میں بود و باش اختیار کرلی اور عیسائی ہو گئے۔ مسیحی مذہب اُنھوں نے قسطنطنیہ سے حاصل کیا چنانچہ اُن کا تعلق یونان کے گرجا سے ہے۔ اور اُنھوں نے

آئیوان اور پیٹر اعظم روس کے بادشاہ

پاپائے روم کی فضیلت کو کبھی تسلیم نہ کیا۔ اُن کی حکومت کے ماتحت روس نے تہذیب و شائستگی میں ترقی کی اور شہر کیو روس میں سب سے زیادہ ممتاز ہو گیا۔

بدقسمتی سے وسطی ایشیا کے منغولوں نے روس پر (سنہ ۱۲۴۰ء) یورش کی اور بڑی سختی سے ملک کو تاراج اور اُس کے نئے شہروں کو برباد کیا۔ اس یورش سے تمام سلاوی ممالک کو نقصان پہنچا۔ سب سے پہلے جس ملک کی حالت سنبھلی وہ پولینڈ تھا۔ لیکن سب سے آخر ماسکو نے ان منغولوں سے خلاصی پائی (سنہ ۱۴۸۰ء) اور اس وقت سے روس نے قوت میں رفتہ رفتہ ترقی کی۔ روس کا پہلا بادشاہ آئی ون الملقب بہ "خوفناک" تھا (سنہ ۱۵۳۳ء لغایت سنہ ۱۵۸۴ء) یہ وہی زمانہ تھا جبکہ مغربی یورپ میں بڑے فرماں روا چارلس خامس اور ملکہ ایلی زبتھ اور ٹرکی میں سلطان سلیمان فرماں روائی کر رہے تھے۔ لیکن روس کے بادشاہ کے مغرب سے کوئی تعلقات نہ تھے۔ اور آئی ون کے بعد روس بہت عرصہ تک ایک ایسا ملک رہا جس کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ خود روس کی قوموں میں خونریز لڑائیاں ہوئیں جن میں امرا بھی شریک تھے۔ اور پیٹر اعظم کے زمانہ میں روس ایک متحد ملک ہوا (سنہ ۱۶۸۹ء لغایت سنہ ۱۷۲۵ء)

پیٹر نے حکومت کی ایک شکل قایم کی جس کی رو سے زار روس خود سر بادشاہ ہو گیا اور ادنےٰ اور اعلیٰ درجے کے افسروں کے ذریعہ سے وہ فرماں روائی کرنے لگا۔ اُس نے ملک کو اُس کی گہری نیند سے جگایا۔ زراعت کو ترقی دی۔ دستکاری کا آغاز کیا اور مدارس کھولے۔ دریائے نیوا پر اُس نے نیا دارالسلطنت پیٹرز برگ تعمیر کیا جہاں روسی اپنے جہاز بھیج سکیں اور غیر ممالک کے بیوپاری آئیں اور غیروں کو روس کی معاشرت اور جماعت میں شریک ہونے کا موقع ملے۔ اُس کی حُب الوطنی کی آنکھ نے دیکھا کہ یورپ کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں

پیٹر اعظم کی حکومت

روس نسبتاً غیر مہذب تھا اور اُس نے روس کے طرزِ زندگی میں شائستگی اور علم داخل کرنے کی خواہش کی۔ اسی کے ساتھ وہ نہایت چست سپاہی بھی تھا۔ اُس نے پولینڈ اور سویڈن کو مغلوب کیا۔ یہ دونوں اب تک روس کے خاص دشمن تھے۔ اور اُس نے منغولوں پر جو اب بھی جنوبی صوبوں اور کرائمیا میں رہتے تھے مضبوط حکومت کو وسعت دی۔

[illegible]

پیٹر کی وفات کے بعد اُس کے جانشینوں نے پولینڈ کا خاتمہ کر دیا اور اُس کو آسٹریا پروشیا اور خود اپنے باہم تقسیم کر لیا (۱۷۷۲ء - ۱۷۹۳ - ۱۷۹۵) اس طرح روس یورپ کے سیاسی حلقہ میں داخل ہو گیا اور آخر میں اسکو نپولین کے خلاف جنگ کرنی پڑی نپولین کے بیباک حملے۔ روسیوں کے شہر ماسکو کے بھینٹ چڑھانے اور نپولین کی تباہی کی داستان دنیا کو معلوم ہے۔ روس کئی پشت تک غیر متزلزل طاقت رہا اور اُس نے ٹرکی اور ایران کی طرف آہستہ آہستہ قدم بڑھائے۔ اُس نے کوہ قاف کو عبور کیا اور ٹرکی کی قطعی بربادی کا گمان ہونے لگا۔ اور اسی لیے جنگ کریمیا (۱۸۵۴ء) میں انگلستان اور فرانس نے روس کے خلاف جنگ کی۔

وسطی ایشیا میں روس کی ترقی

اس کے بعد یورپ میں روس کی ترقی رُک گئی۔ اور اس نے وسطی ایشیا میں اپنی ہمت صرف کرنی شروع کی۔ رفتہ رفتہ وسطی ایشیا کے خان مغلوب کیے گئے اور سمرقند و بخارا روسی شہر ہو گئے۔ اسی کے ساتھ ملک سیبیریا پر دعویٰ اور قبضہ کر لیا گیا۔ پہلے روسیوں نے کوہستان یورال کو صدیوں پیشتر عبور کیا تھا (سنہ [illegible]ء) لیکن یہ بات صرف اُنیسویں صدی میں واقع ہوئی کہ روسی نوآبادی قایم کرنے والے نمودار ہوئے اور سیبیریا میں بڑے بڑے شہر پیدا ہو گئے۔

روس کو بندرگاہوں کی جستجو

اگر ہم یہ سوال کریں کہ روس کو کس چیز کی تلاش تھی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ زمین کی روس کو ایسی تلاش نہ تھی جیسی سمندر کے بندرگاہوں کی جستجو تھی۔ بحر اعظم شمالی سال کے بڑے حصہ تک منجمد رہتا ہے۔ بحر شمالی اور بحر اسود تنگ آبنایوں کے سبب بند رہتے ہیں اور اُن پر دوسری طاقتوں کی حکومت ہے۔ پس جس چیز کی روس کو تلاش تھی وہ یہ تھی کہ اُس کو بحر روم یا خلیج فارس یا بحر اعظم پاسفک کے بحر زرد پر کوئی بندرگاہ ہاتھ آتا۔ اور اسی خواہش کی وجہ سے اُس کو کسی نہ کسی مخالف قوت سے جنگ کرنی پڑی۔ یعنی پہلے ٹرکی سے پھر برطانیہ سے اور آخر میں جاپان سے لڑائی ہوئی۔ جب روس نے ٹرکی۔ اور ایران کی طرف سے اپنے ارادوں کے متعلق دست کشی کر لی تو پورٹ آرتھر اور ڈالنی کے بندرگاہوں کی بنیاد رکھی لیکن یہاں اُس کو ایک نئے دشمن کا سامنا ہوا۔ مگر یہ دشمن بڑا بہادر تھا (جاپان) اور روس کو اپنی طاقتوں کے مرکزوں سے نہایت بعید فاصلے پر جنگ کرنی پڑی اور اسی واسطے روس کو شکست ہوگئی۔ اور اُس کی مراد پوری نہ ہوئی (۱۹۰۵ء)

برطانیہ کا رشک اور جرمنی سے خطرہ

یہ قدرتی بات تھی کہ وسطی ایشیا میں قدم بڑھانے سے روسیوں کی طرف سے برطانیہ کو رشک پیدا ہو۔ اور بہت برسوں تک برطانیہ اور روس میں جنگ برسر رسیدہ معلوم ہوتی رہی۔ لیکن جو بات اس جنگ کے راستہ میں حایل ہوگئی وہ یہ تھی کہ جرمنی کے جاہ طلب ارادوں کا یکایک طوفان نمودار ہوا۔ یہ بات تو بہت عرصہ سے صاف معلوم ہو رہی تھی کہ جرمنی کا قریب مشرق میں ایک سلطنت قایم کرنے کا ارادہ تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایشیائے کوچک میں روسیوں اور جرمنوں میں جنگ ہو اور کچھ ایسے دوسری وجوہ بھی ہو چکیں کہ یورپ کے اندر بھی جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

سلاوی قوموں کی حالت

سلاوی قوم کے لوگوں کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ اُن کو بہت دفعہ لڑائیوں میں شکست ہو۔ حتیٰ کہ لفظ "سلاو" کے اب معنی ہی قیدی یا غلام کے ہوگئے ہیں اور آج بہت سے لوگ سلاوی قوم کے دوسروں کی رعیت ہیں۔ خاصکر پولینڈ والوں کا ایسا ہی حال ہے۔ سلاوی قوم کے لوگ آسٹریا کے بھی ماتحت ہیں۔ اور بلغاریہ اور رومانیہ ابھی ٹرکی کے چنگل سے نکلے ہیں۔ روسیوں کو ان لوگوں سے نہایت ہمدردی ہے اور روسیوں نے یہ بات بڑے تردد سے دیکھی کہ جرمنی ان میں سے بعض کو سیاسی ماتحتی میں لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مثلاً سرویا والے بحیرۂ ایجین اور آسٹریا کے درمیان حایل ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ اس قطعۂ ملک پر جرمنی اور آسٹریا کا دانت ہے۔

روس اور برطانیہ کا اتحاد

روس بڑا ملک ہے اور اُس کی آبادی بھی بہت ہے۔ لیکن وہ غریب ہے۔ سائنس میں وہ پیچھے ہے۔ اور جہاں تک افواج سے متعلق بات ہے وہ جرمنی کا "مد مقابل" نہیں ہے۔ چند سال ہوئے کہ یہی بات روس نے محسوس کی کہ وہ تنہا جرمنی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ فرانس سے روس کا پہلے سے اتحاد تھا۔ لیکن اپنے مقاصد پر نظر ڈالتے ہوئے روس کو معلوم ہوا کہ برطانیہ سے بھی اتحاد قایم کرلینا ضروری تھا۔ کیونکہ جرمنی کی ترقی سے برطانیہ کو بھی کھٹکا تھا۔ یہ بات بھی دیکھی گئی کہ روس و برطانیہ کے ایشیا میں ایسے مقاصد موجود تھے کہ اتحاد قایم ہوجانا ضروری تھا (۱۹۰۷ء) برطانیہ کو سیبیریا کی طرف آنکھ اُٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور وہاں روس کے لیے کارروائیوں کا ایسا فراخ میدان پڑا ہوا تھا کہ روس کے تمامی عزم و ہمت کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کو کافی تھا۔ چنانچہ ایران کے متعلق معاہدے کی ضرورت تھی اور وہ معاہدہ کر لیا گیا۔ سیاسی اعتبار سے ایران خود مختار رکھا گیا لیکن تجارتی معاملات کے متعلق آدھا شمالی ایران روس کے اثر میں

اور نصف جنوبی برطانیہ کے زیر اثر رکھا گیا۔

اب ہم اُس زمانہ کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ آسٹریا نے سرویہ پر حملہ کیا اور روس مجبوراً موجودہ جنگ میں شریک ہوا اگر روس علحدہ سے سرویہ کی پامالی کا تماشا دیکھتا رہتا تو گویا یہ تسلیم کر لیتا تھا کہ روس میں "سلاوی دنیا" کی حفاظت کی قوت نہ تھی۔ تمام روسی قوم کی عزت نے یہ بات تسلیم نہ کی۔ پس گورنمنٹ روس اور قوم روس جرمن سلطنتوں کے خلاف جنگ کرنے پر متحد ہو گئی۔

پولینڈ:

یوروپ کی عام تاریخ میں پولینڈ کی تاریخ کچھ دلچسپ یا باوقعت نہیں ہے۔ اگرچہ پولینڈ کے باشندے جدا لوگ ہیں اور اگر وہ زیادہ عقلمندی سے کام کرتے تو دنیا میں بہت کچھ کر دکھاتے۔ زمانۂ وسطیٰ سے پیشتر کا اُن کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اسی وسطی زمانہ میں ان لوگوں نے روس اور پروشیا کے مابین رفتہ رفتہ ایک بادشاہت قایم کی جس میں بڑے بڑے اور خوش حال شہر آباد ہوے۔ ان میں خاص ڈینزگ۔ وارسا اور کیرا کو تھے جو پروشیا۔ روس اور آسٹریا کے قبضہ میں ہیں۔ پولینڈ کی سب سے زیادہ خوش حالی کا وہ زمانہ تھا جبکہ انگلستان میں ہنری ہشتم بادشاہ تھا اور روس کے عروج کا ٹھیک یہی وقت تھا۔

لیکن روس تو ایک زبردست بادشاہ کی ماتحتی میں ایک متحد ملک

ملہ نوٹ۔ اب فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں اخبار میں دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ سرویہ کا انجام کیا ہوا ہے اور ریاست ہاے بلقان میں کیا پیش آچکا ہے۔ مترجم

بن گیا۔ مگر فسادی اور سرکش امرا نے پولینڈ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور نہ پولینڈ میں اپنی حفاظت کرنے کی قوت نہ رہی اور انجام کار ۱۷۹۵ء میں اُس کو اُس کے زبردست ہمسایوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اور ملک کا سب سے بڑا حصہ روسیوں کے قبضہ میں جا پہنچا۔ پولینڈ میں انقلاب

روس اور پروشیا کی پولینڈ کی ساکن رعایا سخت نکلی۔ دونوں نے کوشش کی کہ روس اور پروشیا کے لوگوں کی طرح یہ پولینڈ والے بھی ہو جائیں لیکن اس قدر شدت سے اختلاف کیا گیا کہ یہ لوگ اپنے آقاؤں سے علیحدہ ہی رہے۔ یعنی اُن کی زبان نہ تو روسی ہے نہ جرمنی۔ اور اُن کا مذہب نہ تو پروٹسٹنٹ ہی ہے نہ وہ یونان کے گرجا کی روسیوں کی طرح پیروی کرتے ہیں بلکہ وہ رومن کیتھولک عیسائی ہیں۔ تمامی انیسویں صدی میں یہ لوگ اپنے فرمانرواؤں کے خلاف کارروائیاں کرتے رہے اور وہ بڑی سختی کے ساتھ مغلوب کیے گئے۔ اس موجودہ جنگ میں پولینڈ والوں کے لیے کوئی بڑی وجہ نہیں ہے کہ دونوں طرف سے شریک نہ ہوں چنانچہ فی الحقیقت ایسے لوگ موجود ہیں کہ دونوں طرف سے جنگ کر رہے ہیں۔ مگر کچھ عرصہ سے روس میں آزاد گورنمنٹ کی آہستہ آہستہ کوشش شروع ہوئی ہے جس سے پولینڈ والوں کی کچھ ڈھارس بندھی ہے۔ اور زار روس نے اعلان کر دیا ہے کہ فتح کی حالت میں پولینڈ ایسا صوبہ بنا دیا جاوے گا کہ وہ خود اپنے اوپر حکومت کرے گا۔ اور اُس میں وہ حصے بھی پولینڈ کے شامل کر دیے جائیں گے جو جرمن اور آسٹریا کے قبضہ میں ہیں۔ پولینڈ کے باشندے سخت اولوالعزم ہیں

ٹرکی

آج ٹرکی کے مسئلہ کو یہ سمجھنے میں دشواری پیش آوے گی کہ یہ ترک

حقیقت میں کون لوگ ہیں۔ صورت شکل میں تو وہ دوسرے یورپ والوں کی طرح ہیں۔ یعنی خوب سُرخ سفید رنگ ہے اور خط و خال میں وہ ایشیا والوں کی بہ نسبت یورپ والوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ ممکن ہو کہ ان آخری چند صدیوں میں اُن کے خط و خال تبدیل ہو گئے ہوں۔ لیکن یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ پہلے ترک اپنے ان جانشینوں سے مشابہت رکھتے ہوں۔ اگر یہی واقعہ ہو تو ہم کو لازم ہو کہ ہم ترکوں کو اُن منغولوں سے علیٰحدہ لوگ سمجھیں جنھوں نے روس کو تاخت و تاراج کیا تھا اور ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ غالباً یہ ترک میگیار کے بھائی بند تھے۔ لیکن میگیار تو عیسائی ہو گئے اور ترک یورپ میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ عثمانی ترک غالباً دریائے جیحون یا سیحون کے کناروں سے اصل میں آئے تھے اور انھوں نے رفتہ رفتہ ایشیائے کوچک کو فتح کر لیا۔ اُس کے بعد انھوں نے باسفرس کو عبور کر کے قسطنطنیہ کو فتح کیا (۱۴۵۳ء) اور بہت جلد دریائے ڈینوب کے جنوب میں تمامی جزیرہ نما پر پھیل گئے۔ اُن کا سب سے بڑا فرمانروا سلطان سلیمان (اعظم) تھا (۱۵۲۰ء لغایت ۱۵۶۶ء) جس نے ہنگری والوں کو مغلوب کیا۔ اور شہر وائنا اُس کے ہاتھ سے بال بال بچ گیا۔ سلیمان کے زمانہ میں اُس کا کوئی بھی مدمقابل خشکی تا تری میں نہ تھا اور تمامی مشرقِ قریب ترکوں کے قبضہ میں تھا۔ اُس کے بعد کی ترکی تاریخ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آہستہ آہستہ تنزل شروع ہوا بہت سی خونریز جنگیں ہوئیں۔ ترکوں کو بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ مگر ان فتوحات سے ترکی قوت مستحکم نہ ہوئی۔ ترکی کا پہلا خاص دشمن آسٹریا تھا اور اُس کے بعد روس ہوا۔ ترکی سلطنت میں سب سے پہلے یونان نکلا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترکی سلطنت کا زوال یقینی ہوا چاہتا تھا کہ وہ رُک گئی اور پاش پاش نہ ہوئی۔ اونیسویں صدی

کے وسط میں روس کی طاقت کے غلبہ سے پریشان ہو کر فرانس اور انگلستان ٹرکی کی امداد کو کھڑے ہو گئے (۱۸۵۴ع) اور اُس کو بچا لیا۔ اور ٹرکی کو اُسی طرح جیسا روس کو پیٹر کی ماتحتی میں موقع ملا تھا۔ ایک جدید قوم بن جانے کا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ لیکن ٹرکی نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا کیونکہ سلاوی ریاستیں جو اُس کے ماتحت تھیں روز بروز ناخوش ہوتی چلی گئیں۔ روس نے اُن کی جانبداری اور مدد کی (۱۸۷۸ع) اور آخر کار سرویہ بلغاریہ اور رومانیہ سب کے سب خود مختار طاقتیں بن گئیں۔

اس تمام زمانہ میں سلطان ٹرکی کی خود سر حکومت قائم رہی۔ اور اُس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ لیکن چند سال ہوئے (۱۹۰۸ع) ٹرکی کی نوجوان پارٹی نے سلطان عبدالحمید ثانی کو مجبور کر دیا اور پارلیمنٹ قائم کر لیا۔ ان لوگوں کے ارادے کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا لیکن اُنھوں نے خود اپنے باہم اور نیز سپاہ سے جھگڑا کیا اور وہ ترقی جو نظر کے سامنے تھی رُک گئی۔ نئی گورنمنٹ سے مقدونیہ کا مسئلہ حل نہ ہو سکا جہاں ترکوں اور یونانی باشندوں سے برابر جھگڑا رہتا تھا اور مصیبت بڑھتی چلی جاتی تھی۔ آخر کار ریاست ہائے بلقان نے ترکوں پر حملہ کر دیا (۱۹۱۲ع) اور ایک خونریز جنگ میں ٹرکی کو زمین بوس کر دیا۔ اور ٹرکی نے سوائے قسطنطنیہ کے جنوب یوروپ کے تمام مقبوضات دیدیے تو صلح ہوئی۔

ٹرکی میں پارلیمنٹ کا قائم ہونا

ٹرکی کو اسی اثنا میں برلن کی جرمن گورنمنٹ نے اپنا مشورہ اور دوستی قبول کر لینے کی ترغیب دیدی تھی۔ اونیسویں صدی کے وسط میں ٹرکی کا بڑا رفیق انگلستان برسوں تک رہا تھا۔ لیکن مصر پر انگلستان کے دخل کر لینے سے ترکوں کا دل انگلستان کی طرف سے پھر گیا۔ اور ترک جرمن کے انتظام لینے کے وعدے توجہ سے سُننے لگے جرمنی افسروں کی خدمات مستعار لی گئیں اور وہ ٹرکی

ٹرکی کا جرمنی سے اتحاد

افواج کو تربیت کریں اور سدھاریں۔ اور دریائے فرات کی وادی میں جرمنی سرمایہ سے ریلیں تعمیر ہونے لگیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اس اتحاد سے جرمنوں کو کیا امید تھی۔ لیکن یہ صاف طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ ترکوں کو کس بات کی توقع تھی یا ان سے کیا وعدہ کیا گیا تھا۔ اصلی اور حقیقی ترکوں کی ضرورت تو یہ تھی کہ وہ اپنا گھر سدھارتے اور یورپ کے کسی جھگڑے قضیئے میں نہ پڑتے۔ اس تجویز کو منظور کرنے سے ٹرکی نے انکار کیا اور موجودہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد وہ جرمنی کا شریک ہو گیا۔

ریاست ہائے بلقان

ان ریاستوں میں سب سے زیادہ دلچسپ بلغاریہ اور سرویہ کی ریاستیں ہیں باوجود پاس پاس واقع ہونے کے ان کے باہم صدیوں سے نا اتفاقی چلی آتی ہے۔ یہ دونوں قدیمی سلطنت روم کے حصے ہیں۔ اور جب سلطنت روم کو زوال ہوا تو ان دونوں پہ یورش کی گئی۔ اور وحشی حکومت کا ان کو فرماں بردار بننا پڑا۔ دونوں کی شان عظمت کا ایک وقت تھا اور اپنی ہی سلطنت بھی تھی۔ بلغاریہ کی سلطنت دسویں صدی میں تھی اور سرویہ کی چودھویں صدی میں۔ ترکوں کی آمد دونوں کے حق میں مہلک ثابت ہوئی اور ایک زمانہ دراز تک دونوں کو غلامی کرنی پڑی۔

ایک طولانی جنگ کے بعد سرویہ تو غلامی سے آزاد ہو گیا۔ یہ جھگڑا تمام انیسویں صدی میں جاری رہا۔ ۱۸۷۷ء کی روس اور ٹرکی کی جنگ کے بعد آخر سرویہ آزاد ہو گیا اور اسی کے ساتھ بلغاریہ کو بھی آزادی ملی۔ دونوں ملک روس کے نہایت ممنون احسان ہوئے لیکن دونوں نے روسی قسم کی ہر ایک نوع حکومت پر اعتراض کیا اور بسا اوقات روس اور ان دونوں کے درمیان رنجش تک کی بھی نوبت پہنچی۔ ان دونوں کی تاریخ کا آخری باب یہ ہے کہ مقدونیہ کی جانب داری

دونوں نے ٹرکی سے جنگ کی اور اس کے بعد ہی اُن کی قدیمی رقابت ایک دم سے جوش میں آگئی اور دونوں میں نہایت سخت جنگ ہوئی اور آخر میں بلغاریہ کو شکست ہوئی اور اُس کو بہت مُضر شرائط منظور کرنی پڑیں (۱۹۱۳ء)

لیکن سرویہ کو اس مقام پر کھڑا ہونا نصیب نہ ہوا جہاں وہ چاہتا تھا یعنی آسٹریا نے اس بات پر اصرار کیا کہ البانیہ جو سرویہ سے مغرب کی طرف واقعہ ہے خود مختار کر دیا جائے اور اُس پر ایک جرمن بادشاہ مقرر ہو۔ اس چال سے سرویہ کا تعلق سمندر سے قطع ہو گیا اور اُس کے ہاتھ سے بہت سے اپنے سرویہ والے نکل گئے جو البانیہ میں رہتے تھے اور سرویہ کے بڑی خوشی سے رعایا ہو جاتے۔ اسی کے ساتھ سرویہ کو یہ بھی دیکھنا پڑا کہ بہت سے سروی بوسینا میں جن کی ہزاروں کی تعداد تھی آسٹریا کے زیر حکومت تھے۔ ایسے حالات نے سرویہ میں بڑی تلخی پیدا کر دی۔ اور وہ شخص ایک سروی ہی تھا جس نے آسٹریا کے شاہزادہ ولی عہد کو قتل کر دیا اور جنگ کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔

اس جنگ میں نہایت جبر کر کے ابھی تک بلغاریہ والے شریک نہیں ہوئے ہیں۔[1] اور یہی حال رومانیہ کا ہے جو بہت پہلے ٹرکی کی حکومت سے علیحدہ ہو چکا ہے (۱۸۲۹ء) اور اُس زمانہ سے امن و امان کی ترقی کرنے والی زندگی بسر کی ہے گو رومانیہ والوں کا ہنگری کے بہت سے سلاو لوگوں سے تعلق ہے اور اُن کو اکثر خواب میں خیال ہوا ہے کہ ٹرانسلوے نیا کو اپنے ملک میں شامل کر لیں۔

سرویہ کا اپنے مقصد میں ناکام رہنا

رومانیہ اور بلغاریہ کی جنگ سے علیحدگی

---

[1] نوٹ۔ اس فقرے کی صداقت اب ۱۹۱۵ء کے ماہ فروری میں اچھی طرح ہو گئی جبکہ بلغاریہ نے جرمن افواج کی شرکت سے سرویہ کو برباد کر دیا ہے۔ مترجم۔

باب چہارم

سلطنتِ برطانیہ

کوئی انگریز انکار نہ کرے گا کہ برطانیہ کی طولانی تاریخ میں جارحانہ جنگ کے بہت سے باب ہیں سیکسن۔ نارمن اور ڈینیس جن کی اولاد میں انگلستان کے لوگ ہیں یہ سب جنگجو قومیں تھیں۔ اور جب وہ سب متحد ہو کر ایک قوم بن گئیں اور اُن کی ایک ہی حکومت ہو گئی تو اُن کو پہلی تحریک یہی ہوئی کہ اپنے ہمسایوں کے خلاف تلواریں کھینچیں۔ اسی تحریک سے "جنگِ صد سالہ" ہوئی جو ۱۳۳۸ء میں شروع ہوئی تھی اور جس کا مرکزِ خیال یہ تھا کہ فرانس میں انگریزی حکومت قایم کی جائے۔ ہاں اِس کے لیے ایک بہانہ تھا کہ حقِ پیدایش کے لحاظ سے انگلستان کا بادشاہ فرانس کے تاج کا حقدار تھا۔ لیکن شاید بلیک پرنس (ایڈورڈ ثالث بادشاہِ انگلستان کا بڑا بیٹا) کے سپاہیوں کو اربابِ قانون کے دلایل کے مقابلہ میں اس بات کا زیادہ خیال تھا کہ اُن کا دعوے تلوار کے بل پر زیادہ مبنی تھا۔

کسی حالت میں انگلستان کی تجاویز کا نتیجہ کچھ بھی نہوا۔ اُس کے بعد "وار آف روزیز" (۱۴۵۵ء لغایت ۱۴۸۵ء)۱؎ نے ایک تہائی صدی تک انگلستان کے سپاہیوں کو مصروف رکھکر تھکا دیا۔ اُس کے بعد کی صدی میں انگلستان نے پرتگال اور سلطنتِ اسپین کی تجارت پر حملہ کیا۔ وسطی اور جنوبی امریکا کی آبادیوں

۱؎ یہ جنگ انگلستان کے بادشاہوں کے خاندان میں ۱۴۵۵ء سے ۱۴۸۵ء تک رہی جس کے دوران میں بارہ مشہور لڑائیاں ہوئیں۔ مترجم۔

کی سلطنت نے اسپین کو اپنی چاندی سونے کی کانوں سے دولتمند بنا دیا تھا۔ انگریزوں کا پہلا منصوبہ یہ ہوا کہ اسپین کے جہازوں کو گرفتار کرکے اُن کا چاندی سونا سب چھین لیا۔ اُس کے بعد پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ امریکا میں نو آبادیاں قایم کریں اور ۱۶۰۷ء میں ورجینیا کی نو آبادی قایم کرنا دُنیا کی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز تھا۔ یہاں انگریز زراعت کرنے اور آباد ہونے کی غرض سے جہازوں سے اُترے۔ اُن کا اسپین والوں کا سا حال نہ تھا جو امریکا کو صرف لُوٹنے اور لڑنے کو جانتے اور پھر اپنے وطن کو واپس چلے آتے تھے۔

انگلستان امریکا اور اسپین

اگر امریکا کے اصلی باشندوں کے حقوق کی بحث نظر انداز کردیں تو انگریزوں نے اس قسمت آزمائی کی مہم میں کسی کو گزند نہیں پہنچایا۔ اور یہ انگریز اور اُن کے جانشین اپنے استقلال اور جرارت کے اعتبار سے ہماری سب تعریفوں کے مستحق ہیں۔ فرانس کی نو آبادیاں برطانیہ کی نو آبادیوں سے شمال کو واقع تھیں اور وہ دریاے سینٹ لارنس کے پار تھیں۔ اور جب فرانسیسیوں نے جنوب کی طرف بڑھنا شروع کیا تو دونوں قوموں میں جھگڑا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرانسیسی اندرونِ ملک سے انگریزوں کا تعلق قطع کردینا چاہتے تھے۔ اسی زمانہ میں فرانس اور انگلستان کے باہم یوروپ میں دشمنی ہوگئی اور اگرچہ عداوت کی وجہ نو آبادیاں نہ تھیں تاہم انگریزوں نے نو آبادیوں کی قدر و قیمت سب سے پہلے جان لی اور جب دونوں قوموں میں صلح ہوئی تو شمالی امریکا میں انگریزوں نے فرانس کی نو آبادیاں اپنے قبضہ میں کرلیں۔ (۱۷۶۳ء)

انگریزوں نے کسی کو گزند نہیں پہنچایا

یہ عجیب بات ہے کہ جو حکمتِ عملی انگریزوں کی امریکا میں تھی یعنی وہاں نو آبادیاں قایم کرکے سکونت اختیار کریں وہی حکمتِ عملی پُرتگالیوں نے نئی دنیا یعنی ایشیا میں اختیار کی اور اُنھوں نے ہندوستان میں نو آبادی قایم کرنے کا قصد کیا۔ انگریز یہ بات

پرتگال اور انگریز

پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے کہ وہ گرم ممالک میں بود و باش اختیار نہ کر سکتے تھے۔ پس اُن کا بھی ارادہ تھا کہ کوٹھیاں اور گڑھ تعمیر کر کے مشرقی بادشاہوں سے تجارت کے عہد و پیمان کریں۔ اس معاملے میں اُن کے رقیب پرتگالی نہ تھے بلکہ فرانسیسی اور ڈچ (ہالینڈ کے باشندے) تھے۔ انگریزوں کا فرانسیسیوں سے ہندوستان میں اور ڈچ سے مجمع الجزائر ملایا میں مقابلہ ہوا۔

ڈچ اور انگریزوں کے جھگڑے میں ڈچ غالب رہے کیونکہ انگریز ہندوستان میں بہت مصروف تھے۔ اور یہاں ہندوستان میں ایک دفعہ تو انگریزوں کا خاتمہ ہی گویا ہو گیا۔ فرانسیسی گورنر ڈوپلے (۱۶۹۷ء لغایت ۱۷۶۳ء) نے انگریزوں کی منتشر کوٹھیوں اور قلعوں کی کمزوری دیکھی اور اُس نے باقاعدہ فرانسیسی حکومت قایم کرنے کا بڑے پیمانہ پر کام شروع کر دیا۔ اگر فرانس نے ڈوپلے کی مدد کی ہوتی تو وہ ایک فرانسیسی سلطنت پیدا کر دیتا۔ لیکن اُس کی تجویزوں میں ناکامی ہوئی اور اُس کی مدد نہ کی گئی۔ مگر کلائیو (۱۷۲۵ء لغایت ۱۷۷۴ء) نے اُس کام کو پورا کر دیا جس کا ڈوپلے نے ارادہ کیا تھا۔ اور "انگریزی کمپنی" فرماں روا بن گئی۔

اس کے بعد شمالی امریکہ میں انگریزوں کے ہاتھ سے نو آبادیاں نکل گئیں (۱۷۸۳ء) کیونکہ برٹش گورنمنٹ نے ان نو آبادیوں پر انگلستان سے حکومت کرنا اور محاصل قایم کرنا چاہا تھا۔ اس معاملہ کو اگر خیالاتِ ماضی کے معیار سے دیکھیں تو اس میں کچھ غیر واجب نہ تھا۔ مگر مدبّروں کو زمانۂ آیندہ پر بجائے ماضی کے نظر ڈالنی پڑتی ہے پس اُن کو سمجھنا چاہیے تھا کہ برطانیہ اعظم کی خود سر حکومت یہ نو آبادیاں کیوں برداشت کریں گی۔ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ نے یہ بات نہ دیکھی اس لیے اُس کو میدانِ جنگ میں یہ سبق سیکھنا پڑا اور پھر برطانیہ نے یہ سبق ایسا سیکھا کہ کبھی اُس کو فراموش نہ ہوا۔ ؎۱

؎۱ نوٹ۔ یہ اشارہ اُس جنگ کی طرف ہے جبکہ انگلستان میں جارج ثالث (بقیہ نوٹ صفحہ ۶۶ پر ملاحظہ ہو)

آسٹریلیا پر انگریزوں کا قبضہ کرنا

اس کے تھوڑے سے ہی عرصہ کے بعد (۱۷۸۸ء) برطانیہ کے نوآبادی قایم کرنے والوں نے آسٹریلیا کا دھاوا کیا - یہ ملک دنیا کے واسطے کھلا ہوا تھا اور فرانسیسی یقیناً اُس پر قبضہ کرنے کا خیال کر رہے تھے - لیکن انگریز میدان میں سب سے پہلے جا پہنچے اور دنیا کی عام رضامندی سے آج آسٹریلیا پر برطانیہ کا جھنڈہ لہرا رہا ہے - اسی طرح (قریب ۱۸۱۴ء کے) نیوزی لینڈ پر دخل کیا گیا اور جلد وہاں بھی برطانیہ کا پرچم بلند ہوا -

افریقہ میں انگریزوں کا مقبوضات حاصل کرنا

افریقہ میں کیپ کالونی ڈچ سے اُس وقت چھین لی گئی جبکہ ۱۸۱۴ء میں اُنھوں نے نپولین سے اتحاد کیا باقی افریقہ کو یوروپ کی طاقتوں نے بہت عرصہ کے بعد آپس میں حصّہ بانٹ کیا (۱۸۹۰ء کے قریب) اس زمانہ میں گرم ممالک کے مقبوضات کی قدر وقیمت معلوم ہوئی اور کسی یوروپ کی قوّت نے نہ چاہا کہ یہ مقبوضات ہاتھ سے جانے دے - لیکن سب سے آخر میں جس نے اِن مقبوضات کی تمنا کی وہ جرمنی تھا - اور بہت زمانہ نہیں گزرا ہے کہ جرمنی نے افریقہ میں اپنا دعوی قایم کیا اس دعوی کی طرف سے برطانیہ کی وضع بالکل فیاضانہ رہی اور یہ بات تمھاری سمجھ میں آجائے گی اگر تم نقشہ پر غور کرو کہ جرمنی مشرقی افریقہ کی سرحد باہر کی طرف اس طرح گھومتی ہے کہ گویا کلیمنجارو اُس کے اندر آجاتا ہے -

اس طولانی داستان میں ہم اُن باتوں سے انکار نہیں کر سکتے جو برطانیہ کی دست درازی کے متعلق بعض مثالوں میں دکھائی جاسکتی ہیں - البتہ سخت کارروائیاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۵) بادشاہ تھا - انگلستان کی گورنمنٹ نے شیشہ پر محصول قایم کیا اور اسٹامپ چاہی کرنا چاہا - امریکہ کی نوآبادی نے اس سے انکار کیا اور جنگ کی نوبت پہنچی - جارج واشنگٹن امریکا کی نوآبادی کی طرف سے بڑا سپہ سالار تھا اور آخر برطانیہ کو شکست ہوئی اور امریکا میں [illegible] قایم ہو گئی جو ممالک متحدہ امریکا کی [illegible] کہلاتی ہے - [illegible] ۱۱

تھیں کہ امریکہ میں سب فرانسیسی نوآبادیاں اور افریقہ میں ڈچ سے کیپ چھین لی گئی۔ لیکن اگر ہم اُسی زمانہ کا ڈچ اور فرانسیسی گورنمنٹوں کا طرزِ عمل جانچیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ برطانیہ کا اصول اُن سے بدتر تھا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ برطانیہ کا اصول زیادہ کامیاب ہوا۔ اور اگر ہم تاریخ کا ذرا اور زیادہ مطالعہ کریں تو ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ فتح کی حالت میں جس قدر کم برطانیہ نے لیا اور جس قدر زیادہ واپس کیا ویسا کسی دوسری قوم سے نہ ہوا۔ مثلاً ۱۸۱۵ء میں برطانیہ نے ڈچ لوگوں کو جزیرہ جاوا واپس کر دیا۔ اور آج اسی جزیرہ جاوا کی بدولت ڈچ لوگوں کی نوآبادیوں کی سلطنت کی عظمت و شان ہے۔

اس سب کے بعد سب سے اہم سوال برطانیہ کے رتبہ کے متعلق جو اُس کو دنیا میں حاصل ہے یہ ہے کہ اُس نے اپنی رعایا سے کیسا برتاؤ کیا اور اپنے شاہی اختیار کو برطانیہ کس طرح عمل میں لائی۔ اس کی جانچ میں ہم برطانیہ کی رعایا کی وفاداری کو پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر ہم امریکہ کی نوآبادیوں کے متعلق برطانیہ کی حکومت کو اس لیے موردِ الزام ٹھہرائیں کہ ان نوآبادیوں نے بغاوت کی تھی تو اُسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی ضرور سمجھنا پڑے گا کہ اسی بغاوت کے خاص زمانہ میں سینٹ لارنس کے شمال کی نوآبادیاں وفادار رہیں۔ اور یہ واقعہ تو بعد کو ۱۸۳۷ء میں پیش آیا کہ سینٹ لارنس کے شمال کی نوآبادیوں نے بھی بغاوت کی۔ لیکن بجائے پامال اور مغلوب کرنے کے بڑے تحمل کے ساتھ تحقیقات کی گئی اور معقول رعایتوں کے ساتھ شکایات رفع کر دی گئیں اور فرانسیسی ملک کناڈا اب برطانیہ کی سلطنت کا سمندر پار ایک وفادار جزو ہے۔

برطانیہ کی طرف سے صفائی میں پہلی بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اگر کناڈا زبردستی چھینا گیا تھا تو اُس کا معاوضہ یہ ہو گیا کہ برطانیہ نے اُس کو بہ شورہ وقلم اپنے

تحت و اختیار میں نہ رکھا۔ لیکن دنیا میں کونسی ایسی فرماں روائی ہوگی جس نے بعض موقع پر زور سے کام نہ لیا ہوگا۔ لیکن اچھی حکومت کا یہ مقصد ہوا کرتا ہے کہ اپنی رعایا کو دلایل سے قایل کرکے اپنے ساتھ وفادار بنائے۔ ایسی بڑی سلطنت کے سامنے ضرور دشوار کام ہوتا ہے جس کے زیر حکومت بہت سی قومیں ہوں اور وہ اپنی ہمدردی اور اغراض کے اعتبار سے منقسم ہوں۔ لیکن اس دشوار کام کا مقابلہ کرنے میں برطانیہ کی سلطنت بہت عرصہ سے مصروف ہے اور چاہے جو کچھ بھی انتہائی خیال کے لوگ کہیں۔ وہ قومی خیال کی عزت اور اقوام کے محسوسات کا احترام کرتی ہے۔ ‏(سلطنت کی دشواری)

اس کے علاوہ گورنمنٹ برطانیہ اپنی سلطنت میں صرف اپنے ہی نفع کی غرض سے حکومت نہیں کرتی۔ سنہ ۱۸۴۶ء سے اس طرف وہ آزاد تجارت کی سلطنت رہی ہے۔ اس معاملہ پر ہم یہاں یہ بحث نہ کریں گے کہ مالی نفع کے لحاظ سے یہ آزاد تجارت صحیح ہے یا غلط ہے بلکہ ہم اس کے اخلاقی پہلو کو دیکھیں گے۔ آزاد تجارت مقابلے کا ایک نظام ہے اور آزاد تجارت ایک جد و جہد ہے جو ہر شخص کرتا ہے کہ سب سے عمدہ قسم کی چیز پیدا کرے اور صرف خوبی اور عمدگی کی بنیاد پر حریف سے سبقت لیجائے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے برطانیہ کے تاجروں کو کسی اور طریقے سے سبقت لیجانے کی خواہش نہ تھی اور وہ اس خیال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُن کو اپنے حریفوں سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی اور حفاظت کی حاجت تھی اگر اُن کے حریف اُن کو شکست دیتے تو حریفوں کی ایماندارانہ فتح پر وہ کبھی شکایت نہ کرتے تھے۔ اور یہی وہ بات تھی جس کو برطانیہ کے تاجر مقابلہ کہتے تھے۔ ‏(برطانیہ آزاد تجارت کی حامی ہے)

یہ نظام اُن کے خیالات اور واقعات زندگی کے لحاظ امن و صلح کے ساتھ بہت کچھ آمیز تھا۔ برطانیہ کی سلطنت ہر ایسے شخص کے واسطے جو صلح اور امن کے نام سے اُس میں سوداگر یا دستکار کی حیثیت سے داخل ہوتا تھا کھلی ہوئی تھی۔ اُس کو نہ کوئی رقم

ادا کرنی پڑتی تھی نہ کسی خاص قسم کے قواعد کی تعمیل پر وہ مجبور کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہر شخص کے واسطے دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور فی الحقیقت اگر برطانیہ کسی اور قسم کی حکمت عملی اختیار کرتی تو اتنے زمانۂ دراز تک دنیا اُس کی فضیلت کو برداشت نہ کرتی بلکہ اُس کو ویسے ہی ایک جتھے سے جنگ کرنی پڑتی جیسا اب جرمنی کے خلاف مسلّح ہے۔ جہاں جرمنی کا جھنڈا لہراتا ہے وہاں باہر والے کا گزر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے اصول کی سلطنت یقیناً ایک فوجی سلطنت ہونی چاہیے۔ لیکن اس کے خلاف اونیسویں صدی کی برطانیہ نے دو پشت سے اپنی بحری اور برّی فوج کو اس قدر گھٹا دیا کہ گویا اُس کا وجود باقی نہ رہا۔ یہ صورت معاملہ بہت عرصہ تک قایم نہ رہ سکتی تھی۔ مگر یہ صورت معاملہ ایک سچّے جوشِ خیال سے پیدا ہوئی تھی جو اس بات کی مستحق ہے کہ ہم اُس کی عزت کریں۔ ہم کو اب اس زمانہ میں یہ ضرور افسوس ہے کہ ہم (شاعر) ٹینی سن کے الفاظ میں تجارت کا استقبال اور خیر مقدم نہیں کر سکتے جس نے تجارت کو "دو خوبصورت سفید بازوؤں کا امن و صلح کا قایم کرنے والا" کہا تھا۔

آخر میں ہم کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ اگر برطانیہ کی سلطنت کے وجود سے کسی کو رنجیدہ ہونے کا حق تھا تو یقیناً وہ جرمنی نہ تھا البتہ فرانس کے راستہ میں برطانیہ بہت دفعہ حایل ہوئی ہے۔ لیکن جرمنی کے راستہ میں تو برطانیہ کبھی بھی حایل نہ ہوئی جرمنی کی ترقی پر برطانیہ کے تاجروں نے ممکن ہے کہ کبھی شکایت کی ہو کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ اُن کے مال کے پورے دام نہ اُٹھتے تھے اور اُن کی تجارتی منڈیاں چھین لی گئی تھیں۔ لیکن انگلستان نے جرمنی کے ایک بھی قومی خیالِ ترقی کو نہ روکا۔ اور روے زمین کے تمامی نقشوں میں ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جہاں تم اُنگلی رکھکر یہ بتا سکو کہ اس مقام سے انگلستان نے جرمنی کو واپس کر دیا۔

حصّہ دوم

زمانۂ حال

باب پنجم

ہنگامِ معرکہ

ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ موجودہ صدی کے ابتدا میں یورپ کی بادشاہتوں کے باہم کتنی بہت سی بدگمانیوں اور رشک وحسد کی بدولت تفرقہ پڑا ہوا تھا۔ اور اب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہنگامِ معرکہ کس طرح آپہنچا اور علانیہ جنگ شروع ہوگئی۔

ایک معنی کے اعتبار سے یہ جنگ ماہرین کے خیال میں ایک مبارک چیز ہے۔ یورپ میں جس پیمانہ پر جنگی تیاریاں تھیں وہ ہر شخص کو ایسی ہی مصیبت خیز معلوم ہو رہی تھیں جیسے واقعی جنگ کا ہونا بلا خیز ہوا کرتا ہے۔ انھیں تیاریوں کا صرف اتنا یہ زیادہ تھا کہ غالباً گرانی کا ایک سبب وہ بھی تھا جس سے دنیا دق ہوگئی تھی۔ اور یورپ کے نوجوانوں پر تو ان تیاریوں نے نہایت ہی بڑی مصیبت ڈال رکھی تھی۔ ہر نوجوان کے لیے یہ قانون ہوگیا تھا کہ ایک سال کے واسطے اور بہت سی حالتوں میں دو سال کے واسطے وہ اپنا کاروبار اور اپنا گھر چھوڑے اور فوج کے واسطے حربی تربیت حاصل کرے اور بارگوں کے کمروں کی سختیاں اور ایسا اوقات ذلیل کرنے

آغاز جنگ سے قبل یورپ کی بادشاہتوں کی کیفیت

والی زندگی جو بعض وقت بہتر سے بہتر آدمی کے لیے ضرر رساں ہے بسر کرے۔ پس بہت سے دلوں میں یہ شک پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا کہ شاید ایسی صلح اور امن سے جنگ بہتر تھی۔

ہر قوم کے پاس یہ خیال کرنے کی کچھ وجوہ موجود تھیں کہ اگر جنگ فوراً چھڑ جائے تو اُس کے حق میں زیادہ مفید ہوگی **انگلستان** نے دیکھا کہ جرمنی کا بیڑہ بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جاتا تھا۔ پس اُس بیڑے سے بڑھکر زبردست بیڑہ بنانے کے مصارف کا بار بڑھتا جاتا تھا۔ **انگلستان** کو یہ بھی محسوس ہوا کہ اُس پر حملے کا خطرہ تھا اور اسی وجہ سے قوم کے لوگوں سے جبریہ فوجی خدمت جو ایک نفرت خیز بات تھی لینے کی ضرورت پیدا ہو رہی تھی۔ **فرانس** نے دیکھا کہ اُس کی آبادی گھٹتی اور جرمنی کی آبادی ہر سال لکھوکھا کی تعداد میں بڑھتی جاتی تھی۔ اُدھر جرمنی نے دیکھا کہ **انگلستان فرانس** اور **روس** کے باہم رفتہ رفتہ دوستانہ بڑھتا چلا جاتا تھا اور اُن کے اتحاد سے ایسا خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ باوجود اپنی تعداد اور دولت کے جرمنی کے لیے خطرہ کا مقام تھا۔

چونکہ فرانس جرمنی کی برابر فوج نہ رکھ سکتا تھا لہذا اُس نے یہ طے کیا کہ جرمنی کی فوج سے بہتر فوج قایم کرے اور اسی لیے اُس نے سنہ ۱۹۱۴ء میں حربی تعلیم کی ہر جوان کے لیے تین سال کی مدت مقرر کر دی۔ جرمنی نے اس کے جواب میں حربی خدمت کی میعاد بڑھا کر تو اپنے جوانوں پر بوجھ نہ بڑھایا مگر سنہ ۱۹۱۴ء میں اپنی سپاہ میں ڈھائی لاکھ کا اضافہ کر دیا اور جائداد پر ایک خاص ٹیکس باندھ کر جنگ کے لیے سرمایہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ ہم یہ بات یقینی نہیں کہہ سکتے کہ جرمنی کا یہ عزم تھا کہ وہ سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ کا آغاز کر دیگا۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اگر اچھا موقعہ ہاتھ آتا تو وہ جنگ کے واسطے تیار تھا۔

یہ موقعہ ایک لبھانے والی وضع میں آ پہنچا۔ ۲۸ جون سنہ ۱۹۱۴ء کو ایک نوجوان

آسٹریا کے شاہزادۂ ولیعہد کا سرویہ میں قتل کیا جانا

سرویہ نے جو آسٹریا کی رعایا سے تھا آسٹریا کے شاہزادۂ ولی عہد کو سراجیوو میں قتل کر دیا۔ دُنیا کو ابھی تک یقین نہیں ہو سکا ہے کہ سرویہ کے اعلیٰ مراتب افسر اس جرم میں شریک تھے یا نہیں۔ لیکن آسٹریا کی گورنمنٹ نے یہی کہا کہ وہ شریک تھے اور اس میں شک نہیں کہ تمام جرمنوں نے جو آسٹریا میں یا کہیں دوسرے مقام پر تھے یہی یقین کیا کہ سرویا کے افسروں کی اس جرم میں سازش تھی۔ چنانچہ ۲۳۔ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء کو سرویہ کے نام ایک مراسلہ بھیجکر لکھا گیا کہ سرویہ فلاں فلاں خاص افسروں کو سزا دے جن پر آسٹریا کی گورنمنٹ نے الزام لگایا تھا اور اسی کے ساتھ سرویہ آسٹریا کے افسروں کو پورے اختیارات دے کہ وہ تحقیقات کر کے سرویہ میں ہر شخص کو سزا دیں جو قولاً یا فعلاً آسٹریا پر حملہ کرنے کا مجرم ثابت ہو۔ اس مراسلے کا جواب دینے کو سرویہ کو صرف چند گھنٹوں کی مہلت دی گئی اور اُس کو اطلاع دیدی گئی کہ اگر ذرا اسی بات کے قبول کرنے سے بھی انکار کیا گیا تو اُس کا نتیجہ جنگ ہوگی۔

روس کو سرویہ کی جانب داری لازم تھی

جیسے ہی یہ مراسلہ شایع ہوا دنیا کو فوراً یقین ہو گیا کہ شاہزادۂ ولی عہد کے قاتلوں کو سزا دینا مدِّ نظر نہ تھا بلکہ سرویہ کو معدوم کرنا مقصود تھا۔ روسی گورنمنٹ نے فوراً اطلاع دے دی کہ وہ اس بات کی اجازت نہ دے گی۔ اور حقیقت میں اگر روسی گورنمنٹ ایسا نہ کرتی تو صرف جرمنی کے باشندے نہیں بلکہ تمامی باقی انسان روس سے نفرت کرنے لگتے۔ جنگ سے روس کا کچھ ہی نقصان کیوں نہ تھا اُس کا فرض یہی تھا کہ وہ اس جنگ کا مقابلہ کرتا۔ مگر تمامی قوتوں کے گروہ میں تنہا روس کی یہ حالت تھی کہ جنگ کو ملتوی کرنے کی ضرورت کی اُس کے پاس معقول وجوہ تھیں۔ یعنی جنگِ جاپان سے ابھی وہ سنبھلنے نہ پایا تھا۔ اُس کے پاس بڑی توپیں بھی بہت کم تھیں جن کو نہ ہونے کی برابر خیال کرنا چاہیے پس روس نے

سرویہ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ آسٹریا کے افسروں کو سرویہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے سوا سب باتیں برداشت کرلے۔ چنانچہ اسی کے موافق سرویہ نے آسٹریا کو جواب بھیج دیا۔ اور سوائے آسٹریا کے "افسروں والے" معاملے کے سب شرائط منظور کرلیں۔ اس کا آسٹریا نے یہ مختصر جواب دیا کہ وہ اسی بات کو تو خاص بات یقین کرتا تھا کہ سرویہ میں آسٹریا کے افسر تحقیقات کی غرض سے بھیجے جائیں۔ اور فوراً سرویہ کے خلاف آسٹریا نے اپنی فوجیں متحرک کر دیں۔

اس اثنا میں یورپ کی سب طاقتوں نے یقین کر لیا کہ معرکہ کا وقت آ پہنچا۔ بڑا سوال یہ تھا کہ جرمنی کیا کارروائی کرے گا۔ لیکن جرمنی بہت خاموش رہا۔ سر ایڈورڈ گرے وزیر صیغۂ خارجیہ برطانیہ نے یہ تجویز پیش کی کہ شرائط قائم کرنے کے واسطے سفیروں کی ایک کانفرنس کی جائے۔ لیکن جرمنی نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جرمنی اور آسٹریا کے باہم کیا ہوا ہم کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ بات تو یقینی ہے کہ جرمنی نے آسٹریا پر یہ زور ہرگز نہ دیا کہ آسٹریا سرویہ کی ناجائز اور قطعی اطاعت کو تسلیم کرلے جس کا سرویہ نے آسٹریا کے مراسلے کے متعلق اظہار کیا تھا۔ دنیا کے سامنے جرمنی خاموش رہا۔ جرمنی جو کچھ چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ ایک قاتل کو سزا دینے کے عذر سے آسٹریا کو سرویہ پر حملہ کرتے ہوئے دیکھے۔ اور ایک قاتل کی حفاظت کی غرض سے روس آسٹریا پر حملہ آور ہو۔ اور پھر فوراً جرمنی انصاف کی حمایت اور جرمنی کے اغراض کی خاطر مدد دینے کو آگے بڑھے اور اس وقت سوائے جرمنی کے ذاتی دشمنوں کے ساری دنیا جرمنی کی طرف ہو جائے۔

بدقسمتی سے اس تجویز میں پوری کامیابی نہ ہوئی۔ ہر جگہ یہی تسلیم کیا گیا کہ آسٹریا اس موقعہ کو ایمانداری سے کام میں نہ لا رہا تھا۔ اور ہر مقام پر یہ یقین کیا گیا کہ باوجود جرمنی کے انکار کے جرمنی گزشتہ سے [illegible] وہ مراسلہ جو سرویہ کو بھیجا گیا تھا دیکھ چکا تھا

پہلے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ آنے والی جنگ کی جارحانہ وضع پوری طرح سمجھ لی گئی تھی۔ اور "مشرق قریب" کی سمت جرمنوں کی یہ کھلی کھلی حرکت تھی۔

آخری لمحہ پر مختلف افواج کے خصوصاً روس اور جرمنی کی فوجوں کے جمع ہونے پر سوال پیدا ہوا۔ اور ان دونوں نے ایک دوسرے پر پہلے افواج متحرک کرنے کا الزام لگایا۔ مگر یہ یقینی ہے کہ جنگ چھڑنے سے بہت پہلے جرمنی نے اپنی محفوظ فوج کے نام جرمنی واپس آجانے کے احکام جاری کر دیے تھے۔ اور اس کی حربی تیاریاں دوسری طاقتوں کی تیاریوں سے بہت آگے تھیں اور آخرکار جنگ میں پہلا ہاتھ جرمنی ہی نے مارا۔ اُدھر جنوب میں آسٹریا سرویہ کی طرف بڑھا اور ادھر شمال میں پروشیا والے بلجیم میں داخل ہوئے۔

حملے میں جرمنی کی سبقت

اس جنگ میں فرانس کی حالت یقینی تھی۔ یعنی وہ عہدنامہ کی رو سے روس کو مدد دینے کا پابند تھا۔ لیکن انگلستان کی حالت ایسی یقینی نہ تھی۔ انگلستان سرویہ کی حفاظت کی خاطر جنگ کرنے کو نہ جاتا۔ اور جب تک فرانس پر جرمنی حملہ آور نہ ہوتا انگلستان فرانس کو مدد دینے پر بھی مجبور نہ تھا۔ یہ حالت تو تھی نہیں۔ بلکہ اُلٹا فرانس روس کو مدد دینے کی غرض سے جرمنی پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ پس اگر انگلستان چاہتا تو غیرطرف دار رہنے کی اُس کے پاس معقول وجوہ موجود تھیں۔ گو یہ کارروائی عقل کے خلاف ہوتی۔ حتّٰی کہ فرانس کے ساتھ یہ انصاف کی بات بھی نہ ہوتی۔ تاہم اگر انگلستان جنگ کرنے سے انکار کر دیتا تو وہ کسی واقعی وعدہ شکنی کا ملزم نہ ہو سکتا تھا۔ برطانیہ کی آزاد خیال گورنمنٹ کسی طرح سے جنگجو مزاج کی نہ تھی۔ جرمنی نے یہ بھی کہا کہ اگر انگلستان غیرجانب دار رہے تو فرانس کی جہازرانی اور فرانس کے تمامی مقبوضات یورپ میں محفوظ رکھے جائیں گے۔ لیکن جرمنی نے ایک بات سے انکار کیا اور وہ بات یہ تھی کہ وہ بلجیم کی غیرجانب داری

برطانیہ مبہم شرائط سے احتراز کر سکتی تھی

پر راضی نہوا۔

۱۸۳۹ء سے یوروپ کی تمام طاقتیں اس پر اتفاق کرچکی تھیں کہ بلجیم رزم گاہ نہ بنایا جائیگا۔ اُنھوں نے اس پر بھی اتفاق کرلیا تھا کہ اگر کوئی طاقت بلجیم پر حملہ آور ہو تو بلجیم کی حفاظت کریں گی۔ اور پہلے جب یہ معاہدہ ہوا تو جرمنی نے صرف اُس پر دستخط ہی نہ کیے تھے بلکہ زمانۂ حال میں اُس معاہدہ کی بلجیم کے ساتھ تجدید بھی کی تھی۔ اب جرمنی نے بلجیم کو ایک دم سے اطلاع دی کہ وہ معاہدۂ مذکور پر کاربند نہوگا بلکہ اُس کا عزم تھا کہ بلجیم میں ہوکر افواج بھیجے اور فرانس پر حملہ آور ہو۔ بلجیم کی ریلوں سے یہ توقع کی گئی کہ وہ جرمنی کی سپاہ کو فرانس لے جائیں اور جرمنی کو بلجیم دوسرے طریقوں سے مدد دے۔ بلجیم کے لیے یہ نہایت دشوار وقت تھا کہ وہ کیا کرے۔ فرانسیسی اُسی قوم سے تھے جس سے بلجیم کے باشندے تھے اور اُن سے خواہش کی جارہی تھی کہ اپنے رشتہ داروں کی بربادی میں وہ امداد کریں۔ اور اگر مدد نہ کرتے تھے تو اُن کی خود بربادی تھی۔ جرمنی کی بڑی فوج سب سے پہلے اُنھیں پر حملہ آور ہوتی۔ اس فوج کے سامنے یوروپ کانپتا تھا اور اگر جرمنی کو فتح ہوتی تو بلجیم قیصر کا ایک مفتوحہ صوبہ ہوجاتا یعنی اُس کی صورت بھی دوسرے ایلسیس کی سی ہو جاتی۔ بلجیم کو فوری مدد بھی نہ مل سکتی تھی کیونکہ بلجیم کو چند گھنٹوں میں فیصلہ کرنا تھا اور ہر شخص جانتا تھا کہ فرانس تیار نہ تھا۔

لیکن بلجیم کا نام ابدالآباد تک اَمٹ ہوگیا کہ اُس نے ہرگز جنبش نہ کھائی اور جھپٹ کر فوراً قبضۂ شمشیر پر ہاتھ ڈالا۔ اور بلجیم کے کارہائے نمایاں اور بلجیم کی گت ہم دوسرے مقام پر لکھیں گے۔ لیکن ہم کو یہاں پر یہ ضرور لکھ دینا چاہیے کہ جرمنی کے فعل نے جو بلجیم کے ساتھ عمل میں لایا گیا برطانیہ کے ارادہ کا فیصلہ کردیا۔ گورنمنٹ برطانیہ بلجیم کی مدد کا اپنے تئیں پابند سمجھتی تھی اور تمامی قوم اپنی

گورنمنٹ کے ساتھ ہوگئی۔ یہ ضرور محسوس ہوا کہ انگلستان بلجیم کو بچا تو نہ سکتا تھا تاہم اُس کی مدد کر سکتا اور انتقام لے سکتا تھا۔

اس نازک موقع پر جرمنی نے جو اپنے برتاؤ اور کارروائیوں میں غلطیاں کیں اُن کا لکھ دینا اس موقع پر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

یکم۔ ایسا خیال کرتے ہیں جرمنی غلطی پر تھا کہ شاہزادہ ولی عہد کے قتل سے اُس کے ہاتھ معقول وجہ آگئی تھی۔

دوم۔ جرمنی نے سرویہ کو مراسلہ بھیجنے سے پہلے اٹلی کو کوئی اطلاع نہ دی اور اس طرح اپنے پرانے رفیق کو ناراض کر دیا۔ جب یہی مراسلہ جنگ کا باعث ہوا تو اٹلی کے پاس جرمنی کو مدد دینے سے انکار کرنے کی نہایت معقول وجہ موجود ہوگئی۔ تاہم جرمنوں کو اس بات سے تعجب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ "اتحادِ ثلثہ" عین اُس وقت جبکہ اُس کی ضرورت تھی شکست ہوگیا۔ اور بحیرہ روم میں جرمنی کو اس سے نہایت سخت صدمہ پہنچا کیونکہ اُس کو امید تھی کہ اٹلی کا بیڑہ آسٹریا کے بیڑے کی مدد کرے گا۔

جرمنی کی غلطیاں

سوم۔ جرمنی نے برطانیہ کے طرزِ عمل کا غلط اندازہ کیا۔ یعنی سب سے پہلی بات یہ تھی کہ جرمنی کو یقین تھا کہ آئرلینڈ کے مسئلہ کے سبب سے برطانیہ کے اندر نااتفاقی تھی۔ اور اس سے برطانیہ کی طاقت بیکار رہ جاوے گی اور آزاد گورنمنٹ جو جرمنی سے بہت کچھ اظہارِ دوستی کرتی تھی جنگ سے بچنا مناسب خیال کرے گی۔ لیکن جرمنی نے ایک ایسی کارروائی کی کہ برطانیہ کے اندرونی اختلافات کا خاتمہ ہوگیا اور آزاد گورنمنٹ جنگ پر آمادہ ہوگئی۔ اور وہ بات یہ تھی کہ جرمنی نے بلجیم پر حملہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کو یہ خیال تھا کہ خود اس کی طرح برطانیہ بھی عہدناموں کا احترام نہ کرے گی جو بلجیم کے ساتھ عمل میں آچکے تھے۔ لیکن اس موقع پر

جرمنی نے غلطی کی جرمنی نے اپنے طرزِ عمل کی صفائی میں یہ بات پیش کی کہ بلجیم پر حملہ کرنا اُس کے لیے اس وجہ سے ضروری تھا کہ فرانس کا بلجیم میں ہو کر جرمنی پر حملہ کرنا نہایت خطرناک تھا۔ لیکن اگر ایسے خطرات جرمنی کو ہوں بھی تو وہ بھی بے معنی تھے۔ جرمنی کو جو کچھ دیکھنا تھا وہ یہ تھا کہ بلجیم پر حملہ نہ کرنے سے اُس کے معاملے میں ایسی معقولیت پیدا ہو جاتی کہ برطانیہ کی غیر جانبداری اگر یقینی نہیں تو ممکن ضرور ہو جاتی۔

چہارم۔ جرمنی نے بلجیم کے جوش اور قوّتِ جنگ کے اندازہ کرنے میں غلطی کی۔

پنجم۔ اُس نے ٹرکی سے اتنی زیادہ توقع کی کہ جتنی نہ کرنی چاہیے تھی۔

ششم۔ جرمنی نے خیال کیا کہ برطانیہ کی سلطنت کے ہر حصّے میں خصوصاً ہندوستان میں بغاوت ہو جائے گی۔ اور اُس کو یہ ہرگز امید نہ تھی کہ ہندوستانی سپاہ بلجیم میں آموجود ہوگی۔

جرمنی کا یہ سب غلطیاں کرنا نہایت تعجب خیز اور سبق آموز ہے۔ لیکن جرمنی نے جنگ کی تیاری میں غفلت کرنے کی غلطی نہ کی۔ ہر چیز تیار تھی۔ جرمنی نے دشمنوں کے سامان اور ذریعوں کا حال معلوم کرنے میں بھی غلطی نہ کی۔ بلکہ اس کے برخلاف دُنیا کا ہر ملک جرمنی جاسوسوں سے بھرا پڑا تھا اور ہر ایک جرمن جو جرمنی سے باہر تھا تھوڑا بہت جاسوس تھا۔ چنانچہ دنیا کے اسلحہ اور افواج کے متعلق جرمنی کے پاس کامل اطلاع موجود تھی۔ لیکن انسانی خیالات اور چال چلن کے متعلق جو اطلاع جرمنی کو دی گئی تھی وہ نہایت غلط تھی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اپنے حریفوں کی طرف سے جرمنی کا ایک جما ہوا پکّا خیال تھا اور یہ خیال یہی تھا کہ جرمنی سب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ جرمنی کی طاقت اور کامیابی نے دوسرے ممالک کی مضبوط باتوں کی طرف سے جرمنی کو اندھا کر دیا تھا۔ اور اندھے پن سے کبھی

اچھا نتیجہ نہیں نکلتا اور اگر دشمن کو حقیر و بیچارہ یقین کرنے میں اندھا پن ظاہر کیا جائے تو نتیجہ خراب نکلتا ہے۔

یہ قدرتی بات ہے کہ بہت سے ایسے جرمن بھی موجود ہیں جن کے خیالات ان سطور میں بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ بعض جرمن ایسے ہیں جو انگلستان کے دوست اور مدّاح ہیں۔ اور بہت سے جرمن ایسے بھی ہیں جو اس جنگ میں کسی بھروسے اور اعتماد کے ساتھ شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ خوف اور تردد کے ساتھ شریک ہوئے ہیں اور ایسے جرمنوں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ پس یہ جرمن وہ لوگ نہیں ہیں جنھوں نے یورپ کو جنگ میں مبتلا کیا ہے۔ بلکہ وہ جرمنوں کی وہ پارٹی ہے جو دنیا کو جرمنی بنانا چاہتی ہے اور دوسرے جرمنوں کے لیے بدترین بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کافی "قوتِ فیصلہ" سے کام نہ لیا اور اپنے محبّانِ وطن کے خلاف اپنی آواز بلند نہ کی۔

بابِ ششم

زمانۂ حال کے اسلحہ - اور طرزِ جنگ

یہ عجیب بات ہے کہ اسلحہ اور طرزِ جنگ کے متعلق کوئی اچھی تاریخ کبھی نہ لکھی گئی حتیٰ کہ جرمنی میں بھی کسی مؤرخ نے نہ لکھی۔ شاید یہ مضمون حد سے زیادہ وسیع ہے۔ ہر بڑی جنگجو قوم کے اپنے مخصوص اسلحہ ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر زمانہ میں یہ اسلحہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

طرزِ جنگ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک فنِ سپہ سالاری اور دوسرے فنِ صف آرائی۔ فنِ سپہ سالاری سے یہ مراد ہے کہ افواج کو ایسی نقل و حرکت دینا کہ وہ مفید موقعہ پر جنگ کریں۔ اور فنِ صف آرائی جنگ کرنے کا فن ہے۔

فنِ سپہ سالاری کے قواعد ہر زمانہ میں یکساں رہے ہیں یعنی تیزی کے ساتھ حرکت کرنا۔ مخفی حرکت کرنا۔ ایک مرکز پر دشمن کی تعداد سے زیادہ فوج جمع کر دینا۔ چنانچہ سپہ سالاروں کا ہمیشہ یہی مقصد رہا ہے۔ لیکن اگلے زمانے کے سپہ سالاروں کو اپنی سپاہ سڑکوں پر لیجانا پڑتی تھی لیکن اب فوجیں ریلوں کے ذریعہ سے لیجائی جا سکتی ہیں۔ عموماً یورپ کی ریلوں کی تعمیر میں کسی قدر یہ لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ سپاہ کی نقل و حرکت کے واسطے بھی وہ کارآمد ہوں۔ اور جرمن افواج کا اس سرعت کے ساتھ بلجیم پر حملہ آور ہو جانا اسی وجہ سے ہوا کہ جرمنی کی ریلیں اپنے انتظام کے اعتبار سے نہایت عمدہ تھیں اور وہ سب جاکر بلجیم کی سرحد پر ایک دوسری سے مل گئی تھیں۔ یہ ریلیں اسی حملے کی غرض سے تعمیر کی گئی تھیں اور جرمنوں نے برسوں سے اپنے تمامی پرانے انجن ضرورت کے وقت کے لیے تیار رکھے تھے۔

ریلوں میں اب موٹر کاروں نے اور اضافہ کر دیا ہے اور موجودہ جنگ میں بہت سی فوجیں ایک مقام سے دوسرے کو انھیں موٹر کاروں میں بھیجی گئی ہیں اور انھیں گاڑیوں کے ذریعہ سے تمام سپاہ کو خوراک پہنچائی گئی ہے۔ لیکن موٹر کاروں کے لیے پٹرول (ایک صاف قسم کا تیل) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس کی شاید جرمنوں کے پاس کمی ہو۔

فنِ سپہ سالاری سے بڑھ کر فنِ صف آرائی میں زمانہ حال میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ ابتدائی انیسویں صدی میں سپاہی بندوقوں سے مسلح ہوتے تھے جن میں بارود اور سیسہ کی گولی ڈالی جاتی تھی۔ سو گز سے اگر زیادہ فاصلہ ہوتا تو یہ بندوقیں چنداں کارآمد

نہ ہوتیں۔ اور سپاہیوں میں جلد دست بدست سنگینوں سے لڑنے کی نوبت آجاتی تھی۔ اور جو سپاہ کسی مورچہ کی حفاظت پر مامور ہوتی تھی۔ یہ مورچہ چاہے جسقدر مضبوط کیوں نہ ہوتا۔ اُس کو حملہ آوروں پر کچھ فوقیت نہ ہوتی۔

توپ صفت ارادی

اُس زمانہ کی توپیں بھی بندوق ہی کی طرح مُنہ کی طرف بھری جاتی تھیں اور اُن میں ٹھوس۔ گول۔ لوہے کا گولا ڈالا جاتا تھا۔ ان توپوں کا کچھ زیادہ توڑ نہ ہوتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو جتنا وہ خایف کرتی تھیں اتنا خایف کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

جدید اسلحہ

اب اس زمانہ میں یہ اسلحہ سب کے سب بدل گئے ہیں۔ ٹوپی دار بندوق کی جگہ رفل ہو گئی ہے جس میں پیچھے سے کارتوس رکھے جاتے ہیں اور بیس سیکنڈ میں پانچ فیر ہوتے ہیں۔ اور اُس میں کارتوس رکھنے کا خزانہ ہوتا ہے اور جتنی دور تک آدمی نظر آتا ہے وہ صحیح نشانہ مارتی ہے۔ لیکن رفل کی مشین رفل کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ مشین رفل سے گولیوں کا ایک مینہ ایسا متصل برستا ہے جیسے پرنالہ سے پانی بہتا ہے۔ یہ آلات اس طرح کام کرتے ہیں کہ وہ نظر بھی نہیں آتے۔ پُرانی شورے اور کوئلے کی بارود کی جگہ اب نئے اُڑنے والے مسالے تیار کیے گئے ہیں جو زیادہ تر شورہ کے تیزاب اور گلیسرن سے بنائے جاتے ہیں۔ وہ نہایت ہی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اور دُھواں بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پس سپاہیوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ دشمن پر گولیوں کا مینہ برسائیں اور اُن کو دشمن دیکھ بھی نہ سکے۔ اور ایسی خونریز جنگیں ہو چکی ہیں کہ فریقین نے ایک دوسرے کی شکل بھی نہ دیکھی۔

طریق مدافعت کی ترجیح

اس طریقہ سے مدافعت کرنے میں بڑا نفع رہتا ہے۔ کیونکہ حملہ آوروں پر بہت پہلے سے آگ برسنے لگتی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنے دشمن کے قریب پہنچیں۔ پھر اُس پر یہ ایک اور بات ہے کہ حملہ کرنے والے جیسے آگے بڑھتے ہیں

نظر آنے لگتے ہیں اور مُدافعت کرنے والے اُن کو نہیں سوجھتے - اور وہ چھپے ہوئے ہوتے ہیں - اسی وجہ سے جرمنوں نے بہت سے حملے رات میں کیے ہیں - لیکن دن میں بھی حملہ کرنے سے اُنھوں نے پس وپیش نہیں کیا ہے اور مدافعت کو ناکام کر دینے کی غرض سے اُنھوں نے اپنی سپاہ کے بڑے بڑے گروہ قربان کر دیے ہیں - ابتدائے جنگ میں وہ اکثر ایسا کرتے تھے کیونکہ اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی - لیکن قطعی کامیابی اُن کو کم ہوئی - اور اب وہ خود مُدافعت کر رہے ہیں -

اس زمانہ میں مدافعت کا مطلب خندقوں میں بند ہو جاتا ہے - زمانہ حال کے آلات اسقدر مہلک ہیں کہ سپاہی سامنے کھُلے میدان میں نہیں آسکتے - چنانچہ کھُلے میدان میں بھی یہ کیا جاتا ہے کہ جہاں ذرا بھی جنگ میں وقفہ ہوا اور سپاہیوں نے اپنے لیے چھوٹی چھوٹی کھائیاں کھود لیں - اسی کام کے لیے ہر سپاہی کے پاس ایک چھوٹا سا پھاوڑا رہتا ہے - جب سپاہ کو یہ مطلوب ہوتا ہے کہ وہ کسی مقام پر کچھ عرصہ کے لیے قابض رہے - خصوصاً جبکہ اُس کی تعداد کم ہوتی ہے تو سپاہی اِن خندقوں کو گہرا کرکے اوپر سے سایہ کر لیتے ہیں اور اپنے سامنے حفاظت کی غرض سے خاردار تار کی باڑھیں قایم کر لیتے ہیں - ایسے خندقوں کی طرف جب پیدل سپاہ بڑھتی ہے تو یہ ضرورت ہوتی ہے کہ توپ خانوں کی مدد سے پہلے اُن کو تلاش کرے -

اس زمانہ کے توپ خانوں میں بھی اُسی طرح ترقی ہو گئی ہے جیسی پرانی بندوقوں پر ترقی کی گئی ہے - سب توپیں اب پیچھے سے بھری جاتی ہیں اور کم سے کم اُن کا توڑ تین میل کا ہے اور وہ اس طرح جمائی جاسکتی ہیں کہ جو چیز نظر آتی ہو اُس کے گولہ مار دیں - پرانا توپ کا گولا اب معدوم ہے - اور اب ہر ایک گولا اندر سے خالی ہوتا ہے (جسے اصطلاح میں شل کہتے ہیں) یہ گولا کھُکھل ہوتا ہے اور اُس کے خلا میں پھٹنے والا مسالا بھرا ہوتا ہے - اُس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی چیز سے ٹکر کھاتا ہے وہ پھٹ جاتا

ہے - لیکن یہ بم کے گولے ایسے بھی بنائے جا سکتے ہیں کہ مقررہ وقفہ کے بعد پھٹیں - چنانچہ ایسے بم کے گولے ہوا میں پھٹتے ہیں - ایسے گولے عموماً وہ پھٹنے والے گولے ہوتے ہیں جن کے اندر گولیاں بھری ہوتی ہیں اور گولے کے پھٹتے ہی وہ منتشر ہو جاتی ہیں - ایسے گولے خاصکر خندقوں کے اوپر پھٹنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور اُن کی نکلی ہوئی گولیاں سیدھی خندقوں کے اندر اُتر جاتی ہیں - ۔

ایسے گولے قلعوں کے شکست کرنے کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے -

قلعوں کا استعمال

قلعے نہایت مستحکم اور مضبوط عمارتیں ہوتی ہیں جہاں فوجیں پناہ لیتی ہیں اور وہ فنِ سپہ سالاری میں بڑے کارآمد ہوتے ہیں - مثلاً جب کوئی دشمن ملک پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس ملک کی سپاہ کمزور ہوتی ہے تو وہ ان قلعوں کے اندر بند ہو جاتی ہے اور دشمن کو ٹھہرنا پڑتا ہے کہ وہ ان قلعوں کو پہلے فتح کرے - دشمن ان قلعوں کو اپنے پیچھے غیر مفتوح اس خوف سے نہیں چھوڑ سکتا کہ کہیں یہ سپاہ قلعہ سے نکل کر حملہ آور نہ ہو اور رسل و رسایل اور سامان رسانی کا راستہ بند نہ کر دے - چنانچہ جب ۱۸۷۰ء میں فرانس کو جرمنی نے شکست دی اور فرانس کو اپنی کمزوری معلوم ہوئی تو اپنی تمامی سرحد پر فرانس نے قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کیا - بلجیم میں بھی نہایت مستحکم قلعے تھے اور بہت لوگوں کو یہ خیال تھا کہ ان قلعوں کے فتح کرنے میں جرمنی کو بہت عرصہ لگے گا -

جرمنی کا بڑے فاصلے سے قلعوں کو توڑنا

مگر جرمنی کی سب تجویزیں پختہ تھیں اور وہ میدان میں اپنی بڑے دہانے کی توپیں لے آیا - ان توپوں سے ہوا میں نہایت بلند گولا مارا جاتا ہے اور وہاں سے وہ سیدھا عمارت کی چھت پہ اُترتا ہے - گولے کا وزن بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور اُس کے اندر نہایت ہی شدید تیز پھٹنے والا مسالا بھرا ہوتا ہے - بلجیم کے قلعوں کی چھتیں کئی فٹ موٹے فولاد اور گچ کی بنی ہوئی تھیں لیکن ایسے چند ہی گولوں نے اُن کے ٹکڑے اُڑا دیے - نہایت ہی صحیح نقشوں کی مدد سے یہ گولے ان قلعوں پر دس میل کے فاصلے سے

اُتارے گئے تھے اور بلجیم والوں کی توپوں سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ یہ بڑے دہانے کی توپیں اور وہ کلیں جن کے ذریعہ سے وہ میدان میں لائی گئیں جرمنی کا راز تھا جو کسی اور کو معلوم نہ تھا۔ خوش نصیبی سے فرانس کی بہت سی سپاہ قلعوں میں بند نہ تھی لیکن جو کچھ بھی قلعوں میں تھی اب جرمنی میں اسیر ہے۔

اس جنگ کا ایک چوتھا آلۂ حرب اور ہے اور وہ ہوائی جہاز ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو ہوائی طیّارہ اور دوسری قسم زیپلن ہے۔ ہوائی طیّارے تو سب طاقتیں استعمال کر رہی ہیں لیکن زیپلن کا استعمال صرف جرمنی کرتا ہے۔ زیپلن نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ موجد کا نام زیپلن ہے اور یہ شخص جرمنی میں کونٹ کا خطاب دار ہے۔ ہر ایک اِن دونوں قسموں میں حقیقت میں غباروں کی ایک قطار ہوتی ہے جو باہم دگر بندھے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک غلاف میں بند ہوتے ہیں اور نیچے ایک گاڑی لٹکی ہوتی ہے۔ غبارے اُس کو زمین سے بلند کرتے ہیں لیکن یہ گاڑی آگے کو ایک پنکھے کے ذریعہ سے جس کو انجن پھراتا ہے چلتی ہے۔ وہ ایک دن میں ایک ہزار میل تک جا سکتی ہے اور اُس میں کئی آدمی سوار ہو سکتے ہیں اور کئی ٹن (قریب ۲۷ من کے ایک ٹن ہوتا ہے) اُڑ جانے والا مسالا جا سکتا ہے۔ جرمنی کی یہ تجویز تھی کہ یہی دیوہیکل زیپلن بھیجکر لندن اور پیرس کو اُڑا دے مگر یہ تجویز اب تک کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ زیپلن پر بہت سے حادثات بھی ہو سکتے ہیں اور ہوائی طیّارے اُس کو آسانی سے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہوائی طیّارے زیادہ مفید ثابت ہوئے ہیں۔ دشمن کی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر لانے میں یہ طیّارے خاصکر استعمال کیے جا رہے ہیں۔ فریقین کی طرف سے اُڑنے والے لوگوں نے بڑے ہنر اور بہادری کا ثبوت دیا ہے لیکن ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ برطانیہ کے ہوا بازوں نے اپنے ہنر اور بہادری کا اظہار ایماندارانہ جنگ میں کیا ہے لیکن دشمن نے ایسا نہیں کیا ہے۔ برطانیہ کے ہوائی طیّاروں نے

جرمنی کے مواضعات پر بم کے گولے نہیں ڈالے ہیں بلکہ اُنھوں نے ایسے مقامات پر حملے کیے ہیں جیسے **کانس ٹینس جھیل** پہ **فرڈیرچ شافن** واقعہ ہے یا بحیرہ شمالی پر **کوکس ہیون** ہے۔ یہ مستحکم حربی مقامات ہیں اور برطانیہ کے ہوا بازوں پہ گولے چلا سکتے ہیں۔ لیکن ہوا میں صدہا میل کا سفر کرکے یہ ہوا باز صحیح وسالم واپس آئے ہیں۔

بحری جنگ میں تغیر

بّری جنگ کی طرح بحری جنگ میں بھی تبدیلی ہو گئی ہے۔ امیرالبحر نیلسن کے زمانہ کی بحری جنگ آج کل کی بحری جنگ کے مقابلے میں ایک آسان بات تھی۔ اُس زمانہ کے امیرالبحر کے سامنے چند باتیں ہوتی تھیں جو اُس کی ذات سے متعلق ہوتی تھیں یعنی اپنے دشمن کو پا لینا۔ اور اپنے جہاز ایسے رُخ پہ قایم کرنا کہ ہَوا کا رُخ موافق ہو۔ اور جب وہ یہ کام کر چکتا تھا تو ملّاحوں کو یہ کام باقی رہ جاتا تھا کہ اپنی توپیں بھریں اور چند گز کے فاصلے سے دشمن کے جہازوں پر گولے مارنے لگیں۔

موجودہ زمانے کے جنگی جہاز

لیکن اس زمانہ کے کپتان کا یہ حال نہیں ہے اُس کو تو دنیا کی نازک ترین کلوں میں سے ایک نازک کَل کا ایسی حالت میں اہتمام کرنا پڑتا ہے جبکہ شش جہت سے وہ خطرہ میں محصور ہوتا ہے۔ زمانہ حال کے جنگی جہاز کا کام اور مقصد نہایت ہی بڑی توپیں لیجانے کا ہے۔ ان توپوں سے وہ دشمن کے جنگی جہاز غارت کرسکتا ہے یا دشمن کے قلعوں کو مسمار کرسکتا ہے۔ اور بجائے خود یہ جنگی جہاز پانی پر تیرتا ہوا ایک قلعہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات اُس پر اتنی بڑی بڑی توپیں چڑھی ہوتی ہیں کہ اُن کے دہانوں کا قطر تیرہ یا پندرہ انچ کا ہوتا ہے اور اُن کے گولے کا وزن منوں کا ہوتا ہے اور وہ صحیح نشانہ کے ساتھ دس میل سے زیادہ فاصلے پر مار۔ دے سکتا ہے۔ یہ توپیں کلوں کے ذریعہ سے حرکت کرتی ہیں۔ اُن کے گولے کلوں سے اُٹھا کر اُن میں داخل کیے جاتے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جہاز میں ذرا ذرا سا کام کل ہی کے ذریعہ

سے ہوتا ہے۔ اور تمام جہاز کا اندرونی حصہ ایسے نازک پرزوں سے بھرا ہوتا ہے جیسے جیبی گھڑی کے ہوتے ہیں۔

یہ کل پرزے نزاکت کے ساتھ ہی پائدار بھی ہوتے ہیں کیونکہ جب بڑی توپوں سے فیر کیے جاتے ہیں تو نہایت سخت صدمہ پیدا ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر بات یہ ہے کہ جہاز کا نیچے کا دھڑ نہایت ہی مضبوط ہونا چاہیے کہ وہ ان بڑی توپوں کو لیجا سکے اور اُن کی حفاظت کر سکے۔ یہ دھڑ کئی انچ موٹے فولاد کا بنایا جاتا ہے اور الماس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔

اس قسم کے سب سے بڑے جنگی جہاز ڈریڈ ناٹ کہلاتے ہیں۔ ان کو ڈریڈ ناٹ اس لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کا سب سے پہلا جہاز جو بنایا گیا تھا اُس کا نام ڈریڈ ناٹ تھا۔ اُن کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں سوائے سب سے بڑی قسم کی توپوں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان جہازوں سے کسیقدر چھوٹے جہاز جنگی کروزر کہلاتے ہیں اور اپنی رفتار کے اعتبار سے ڈریڈ ناٹ سے مختلف ہوتے ہیں۔ یعنی ایسے تیز رفتار ہوتے ہیں کہ ایک گھنٹہ میں تیس میل جاتے ہیں۔

ان جنگی جہازوں پر ملازمت کرنا ایسا پیشہ ہے کہ جس کے واسطے تمام عمر کی مشق درکار ہے اور شاہی بحری صیغہ میں اب سب لوگ لڑکپن کی عمر سے داخل ہوتے ہیں۔ نپولین کے زمانہ میں ہر ملّاح بحری فوج میں بھرتی ہو سکتا تھا۔ لیکن شاہی صیغہ بحر کا اب یہ حال ہے کہ اگر اُس کے ملّاح کی جگہ خالی ہو تو نہایت ہی دشواری سے وہ پُر کیجا سکتی ہے اور اسی وجہ سے بحری فوج کے متعلق جو اتلافِ جان ہوتا ہے وہ دوسرے نقصانات سے بہت زیادہ سنگین خیال کیا جاتا ہے۔

بے تار کی تار برقی نے بحری فنِ سپہ سالاری میں بڑا فرق کر دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ بے تار کی تار برقی تمام بیڑے کے جہازوں کو برابر واقف کرتی رہتی ہے کہ فلاں

جہاز کس مقام پر ہے اور امیر البحر مختلف جہازوں کو نقل وحرکت کی ہدایتیں دیتا رہتا ہے اور اسی کے ساتھ اپنی گورنمنٹ سے خشکی میں بھی تعلق قائم رکھتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس تار سے سپہ سالار کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دشمن کیا کر رہا ہے اور وہ اس کے خلاف کن حرکات کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔

دشمن کے جہازوں کی توپوں کے علاوہ جنگی جہاز کو اور بھی بہت سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی ایک تو تار پیڈو ہی دشمن ہے جو چند سال سے ایجاد ہوا ہے۔ تارپیڈو اپنی موجودہ شکل میں ایک لمبا خول ہوتا ہے جس کی صورت ایک سگار کی سی ہوتی ہے اور اس کے اندر نہایت تیز اڑ جانے والا مسالا بھرا ہوتا ہے اور اس کے سرے پر ایک پیچ ہوتا ہے جو پانی کے نیچے اس کو متحرک کرتا ہے۔ یہ پیچ ایک چھوٹے پرزے کے ذریعہ سے کام کرتا ہے اور وہ پرزہ دابی ہوئی ہوا کے زور سے حرکت میں آتا ہے۔ پس جب ایک تارپیڈو پانی کے نیچے روانہ ہو جاتا ہے تو وہ ایک چھوٹا متحرک جہاز خیال کرنا چاہیے۔ تارپیڈو کے ایک جانب ایک نلی رہتی ہے اور اسی کے ذریعہ سے وہ پھٹ جاتا ہے اور اگر صرف ایک تارپیڈو کسی ڈریڈناٹ کے نیچے جا لگتا ہے تو اس کے پیندے میں اتنا بڑا شگاف ہو جاتا ہے کہ وہ چند منٹ میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس لیے تارپیڈو کی کشتیوں سے جنگی جہاز نہایت خائف رہتے ہیں۔ یہ کشتیاں بہت چھوٹی اور نہایت تیز رفتار ہوتی ہیں اور جب وہ قریب آ جاتی ہیں تو ان کو نشانہ بنانا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ ان کشتیوں کو بھگا دینے کی غرض سے تباہ کن کشتیاں کام میں لائی جاتی ہیں۔ یہ تباہ کن کشتیاں تارپیڈو کشتیوں سے کسی قدر بڑی ہوتی ہیں اور ان کی رفتار فی گھنٹہ چالیس میل تک ہوتی ہے۔ ان میں ایک یا دو زبردست توپیں ہوتی ہیں۔ اور ان کی ایک قطار جنگی جہاز کے آگے آگے راستہ صاف کرتی چلتی ہے۔

جہاز کی تار برقی

تارپیڈو

لیکن یہ تباہ کن کشتیاں جنگی جہازوں کی ہوائی طیاروں سے حفاظت نہیں کر سکتیں - اور نہ آبدوز کشتیوں سے اُن کو بچا سکتی ہیں - آبدوز کشتیاں تارپیڈو کے بعد ایجاد کی گئی ہیں - ایسی کشتیوں کا خیال تو بہت عرصہ سے تھا لیکن اُن کی عملی کامیابی میں بڑی دشواریاں تھیں - یہ ایک سادہ قسم کی کشتی ہوتی ہے جو چاروں طرف سے بالکل بند ہوتی ہے اور اُس کا ایک حصہ پانی سے بھرا ہوا ہوتا ہے اسی لیے وہ پانی میں ڈوب جاتی ہے لیکن اپنی کلوں کے ذریعہ سے حرکت کرتی رہتی ہے - اُس کے انجن پیٹرول کے ذریعہ سے کام کرتے ہیں - آبدوز کشتی کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ جنگی جہاز کے قریب اس طریقے سے پہنچ جائے کہ اُس کو کوئی نہ دیکھے اور وہ جنگی جہاز کے تارپیڈو مار دے - لیکن آبدوز کشتی کے راستہ میں ایک دشواری منجملہ بہت سی دشواریوں کے یہ ہے کہ پانی کے اندر وہ اپنا راستہ نہیں دیکھ سکتی - اور اُس کو کم سے کم پانی کی سطح کے قریب اتنا اُبھرنا پڑتا ہے کہ اُس کی دوربین پانی کی سطح سے باہر ہو جائے یہ دوربین ایک قسم کا چھوٹا سا صندوقچہ ہوتا ہے جس کے سامنے عکس ڈالنے والا شیشہ لگا رہتا ہے اور وہ آس پاس کے منظر کو کشتی کے اندر معکوس کرتا ہے - اگرچہ وہ بہت چھوٹا آلہ ہے تاہم اگر جنگی جہاز کے لوگ اُس کو دیکھ لیتے ہیں تو اُن کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آبدوز کشتی فلاں مقام پر چھپی ہوئی ہے -

آبدوز کشتیاں

بہ نظرِ کل آبدوز کشتیوں سے ویسا نقصان نہیں پہنچا جیسا صیغہ بحر کے لوگوں کو خیال تھا - اور اسی طرح سمندر کے سُرنگوں کا حال ہے - یہ بحری سُرنگیں فولاد کے خول ہوتے ہیں جن کے اندر پھٹ جانے اور اُڑ جانے والا مسالا ہوتا ہے اور وہ جہازوں کے راستہ میں سمندر کی سطح سے قریب تیرتی پھرتی ہیں - کبھی تو وہ آزاد تیرتے پھرنے کو چھوڑ دی جاتی ہیں اور کبھی لنگر کے ذریعہ سے ایک مقام پر قایم کر دی جاتی ہیں - وہ کسی حالت میں ہوں لیکن جب وہ کسی جہاز سے ٹکراتی ہیں تو وہ اُلٹ جاتی ہیں اور اندر کا مسالا اُڑ جاتا ہے -

بحری سرنگیں

ایک تنہا سُرنگ اتنی زبردست ہوتی ہے کہ ہر قسم کے جہاز کو غارت کرنے کو کافی ہے اور ان سُرنگوں کے خلاف سوائے اس کے اور کوئی احتیاط ممکن نہیں ہے کہ اُن کو صاف کرنے کے لیے سمندر میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھیجی جائیں تاکہ ان کو ایک جگہ جمع کر کے ایک دم سے اُڑا دیں۔

اب ہم نے دیکھ لیا کہ زمانۂ حال کی جنگ میں کسقدر ہنر اور احتیاط کی حاجت ہے اور اگر ہم کسی جنگی جہاز کے عرشہ پر کھڑے نہیں ہوئے ہیں یا خود کبھی کسی آبدوز کشتی میں اُترے نہیں ہیں تو فی الحقیقت ہم کو ان سب باتوں کا صرف ایک دُھندلا خیال ہی ہو سکتا ہے۔ آخر میں ہم کو یہ اضافہ کرنا چاہیے کہ جنگی جہازوں کے باہم باقاعدہ جنگ ہو جانے کے یہ معنے ہیں کہ جہاز غارت ہو جائیں گے اور ہر شخص جو جہاز پر ہو گا مارا جائے گا۔

افواج اور سپہ سالار

افواج برطانیہ

انگریزی تاریخ کے ابتدائی ایام میں "جنگ صد سالہ" کے وقت فوج میں سب آزاد آدمی بڑے اور چھوٹے شامل تھے جو اپنے نوابوں کے ہمراہ جاتے تھے اور یہ معاوضہ اُس زمین کا تھا جو ان لوگوں کی کاشت میں ہوتی تھی اور جس کو وہ اپنی کہتے تھے۔ تمامی گروہ کا سردار بادشاہ ہوتا تھا جس کی فرماں برداری کا سب حلف کر لیتے تھے۔ بعض اوقات اگر بادشاہ کے پاس کافی روپیہ ہوتا تھا تو اپنی خود سپاہ بھی نوکر رکھ لیتا تھا۔ لیکن یہ دستور اسٹوارٹ خاندان کی حکومت کے زمانہ تک عام نہوا۔ اسٹوارٹ خاندان کے بادشاہ خزانۂ عامرہ کا روپیہ سپاہ قایم رکھنے میں استعمال کرنے لگے اور ان بادشاہوں کے خلاف منجملہ دوسری شکایات کے ایک قومی شکایت یہ بھی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ جب اسٹوارٹ خاندان خارج کیا گیا تو سپاہ کا اختیار ہوس آف کامنس کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ اور اب ہر سال آیندہ سال کے واسطے ہوس آف کامنس استمراری فوج کے واسطے ایک رقم مقررہ منظور کر دیتا ہے۔ اور پُرانا خیال کہ ہر آزاد آدمی کو مسلّح رہنا اور جب وہ طلب کیا جاوے فوجی خدمت کو حاضر ہونا چاہیے قطعی حاضر ہونا چاہیے قطعی نیست و نابود ہو گیا ہی۔

اب استمراری فوج کے سپاہی کو تھوڑی مدت تک فوجی خدمت انجام دینی پڑتی ہی۔ پیدل سپاہ میں سپاہی سات برس تک فوجی خدمت کرنے کا پابند ہے اور اُس کے بعد وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ آیا وہ مُلکی خانگی زندگی کی طرف لوٹے گا یا نہیں۔ اگر وہ خانگی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو چار سال تک محفوظ فوج میں ہنوز داخل رہتا ہی

اور اگر جنگ کی وجہ سے اُس کی خدمات کی ضرورت لاحق ہو تو وہ حربی خدمت کے لیے طلب کیا جا سکتا ہے اور جب یہ چار سال بھی ختم ہو جاتے ہیں تو پھر وہ قطعی آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے خلاف اگر کوئی سپاہی یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی فوجی خدمت ہی میں صرف کریگا تو اُس کو اٹھارہ سال تک فوج میں رہنا پڑتا ہے اور پھر ایک چھوٹی پنشن پر وہ ملازمت سے علیحدہ ہوتا ہے۔ ملازمت کی حالت میں علاوہ کپڑے اور خوراک کے ایک سپاہی کی تنخواہ قریب ایک شلنگ (بارہ آنہ) یومیہ کے ہوتی ہے۔

معمولی سپاہی

وہ سپاہی جو فوج میں داخل ہوتے ہیں اُسی طبقے کے ہوتے ہیں جس کے کاریگر اور مزدور ہوتے ہیں۔ اُن کو ابتدائی مدارس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ تعلیم کی عمر تیرہ برس تک ہوتی ہے اور سپاہ میں داخل ہونے سے پہلے وہ کوئی کام بھی سیکھ لیتے ہیں۔ اور فوج سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ پھر اسی پیشہ کو کرنے لگتے ہیں۔

فوجی افسر

افسر اونچے رتبہ کے نوجوان ہوتے ہیں جن کو انگلستان کے بورڈنگ اسکولوں میں عموماً تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ لوگ سترہ سال کی عمر میں ان بورڈنگ اسکولوں کو چھوڑ کر حربی کالجوں میں جاتے اور حربی پیشہ سیکھتے ہیں۔ اس کے بعد فوج میں ان کو پہلا عہدہ لفٹنٹ کا دیا جاتا ہے اور پھر بتدریج ترقی کر کے وہ کپتان میجر اور کرنل ہو جاتے ہیں اور جنرل ہو جانا بھی ممکن ہے۔ اپنی زندگی کا بہترین حصہ وہ فوج میں گزارتے اور چالیس برس کی عمر کے بعد جلد عموماً پنشن لے کر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

سپاہی کی ترقی

صلح کے زمانے میں ایک سپاہی کو افسری پر شاذ و نادر ہی ترقی ملتی ہے۔ لیکن جنگ کے دوران میں اکثر ترقیاں مل جاتی ہیں۔ اس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ بہت سے

افسر کام آجاتے ہیں اور کچھ سبب یہ ہے کہ معمولی سپاہیوں کو نمایاں کام کرنے کے موقعے ملتے ہیں۔

سپاہ کی پلٹنیں بہت سی شاخوں میں تقسیم ہوتی ہیں اور ان میں سے پیدل۔ سوار۔ اور توپ خانہ کا نام ہر شخص جانتا ہے۔ مگر بعض اوقات لوگ انجینیروں کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جن کا کام صرف ضروری ہی نہیں ہے بلکہ نہایت دشوار اور پُر خطر ہوتا ہے اور جس میں بہت اعلیٰ ہنر کی ضرورت ہے۔ مثلاً پلوں کا بنانا اور توڑنا ایسی حالت میں جبکہ دشمن کی طرف سے آگ برستی ہوتی ہے انجینیروں ہی کا کام ہے۔ اس کے ساتھ پھر ایک اور جینہ ڈاکٹروں کا ہے اور دوسرا سامان و رسد رسانی کا ہے۔ ان کے ساتھ سپاہ کو کھانا پہنچانا بڑا کام ہے جس کے واسطے بڑی پیش بینی کی حاجت ہے۔ مثلاً انگریزی فوج جب مونز سے مراجعت کرنے لگی تو اُس نے چار دن میں ستّر میل کوچ کیا اور ہر روز ایک لاکھ سپاہ اور بہت سے گھوڑوں کو خوراک دینی پڑی۔

برطانیہ کی پیدل سپاہ رجمنٹوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ صلح کے زمانہ میں ہر رجمنٹ میں دو بٹالین ہوتی ہیں اور ہر بٹالین میں قریب ایک ہزار کے جوان ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ایک بٹالین ولایت میں مقیم رہتی ہے اور دوسری باہر سلطنت میں کہیں ماموں ہوتی ہے۔ جنگ کے زمانہ میں سب قسم کی فوج کی گروہ بندی کر لی جاتی ہے اور ان کو برگیڈ کہتے ہیں۔ ہر برگیڈ میں چار بٹالین پیدلوں کی۔ تین رجمنٹ رسالے کے اور تین باٹری توپ خانہ کی ہوتی ہیں۔ ایک ڈویژن میں دو یا دو سے زیادہ برگیڈ ہوتے ہیں اور لشکر میں دو یا دو سے زیادہ ڈویژن ہوتے ہیں۔

پیدل رجمنٹ کا نام اُسی مقام کے نام پر رکھا جاتا ہے جہاں سے اُس کے

جوان بھرتی کیے جاتے ہیں اور ہر رجمنٹ کی ایک ذاتی تاریخ ہوتی ہے جس پر اُس کو اکثر ناز ہوتا ہے۔ بعض رجمنٹ گارڈ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ابتدائی زمانہ میں بادشاہ کی حفاظت اُنھیں کے سپرد تھی۔ پچھلے زمانہ میں برطانیہ کے پاس ایک لاکھ سپاہ فوراً میدانِ جنگ میں کام کرنے کے واسطے تیار رہتی ہے۔ اور جب موجودہ جنگ شروع ہوئی تو وہ چند گھنٹے میں تیار ہو گئی اور چند روز کے اندر **فرانس** کے ساحل پر اُتار دی گئی۔ [illegible]

جنگ سے قبل فوج کی میزان یہ تھی کہ قریب دس ہزار کے افسر تھے اور دو لاکھ جوان تھے۔ اور ڈیڑھ لاکھ کے قریب محفوظ فوج تھی۔ تعداد

ان فوجوں کے علاوہ "ملکی فوج" اور تھی۔ اس "ملکی فوج" کی تاریخ اُنیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوتی ہے جبکہ **فرانس** سے جنگ کا کچھ خطرہ تھا۔ اُس وقت بہت سے شہریوں نے اپنا نام "رضاکاروں" میں (جنھیں والنٹیر کہتے ہیں) درج رجسٹر کرا لیا تھا کہ وہ حربی تعلیم حاصل کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو ملک کی حفاظت کریں گے۔ یہ فوج اُس وقت سے برابر قائم ہے اور چند سال ہوئے وہ بہتر طریقے پر مسلح کی گئی تھی اور اُس کو نہایت کامل طریقہ سے ترتیب بھی دی گئی تھی اور اُس کا نام "ٹیری ٹوریل" یعنی "ملکی سپاہ" رکھا گیا۔ یہ فوج اب بھی محفوظ حالت میں موجود ہے شاید کہ برطانیہ پر حملہ ہو تو یہ کام دے۔ اب اس کے بہت سے جوان باقاعدہ فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں اور ان کی کچھ بٹالین **ہندوستان** بھی آئی ہیں اور اُن فوجوں کی قائم مقام ہوئی ہیں جو میدانِ جنگ کو روانہ کر دی گئی ہیں۔ ملکی فوج یا ٹیری ٹوریل سپاہ

ممالک یورپ کی سپاہ

جرمنی کی سپاہ

جرمن فوج کی مختلف شاخیں اور اُس کا انتظام و ترتیب زیادہ تر برطانیہ کی فوج کی طرح ہے۔ لیکن وہ فوج ایسی نہیں ہے جو برضا و رغبت اور بالاختیار بھرتی ہوئی ہو۔ بلکہ ہر جوان جو جسمانی اعتبار سے ناکارہ نہیں ہوتا اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ ایک خاص مدت تک فوجی خدمت انجام دے۔ یہ مدّت دو سال کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ سپاہی بائیس برس تک محفوظہ فوج[1] میں رہتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو اس دوران میں فوج میں کام کرنے کو طلب کیا جا سکتا ہے۔ جس زمانہ میں دو سال تک فوجی تعلیم دی جاتی ہے تو اس رنگروٹ کو تنخواہ نہیں دی جاتی یا دی جاتی ہے تو نہایت برائے نام۔ لیکن جو لڑکے اسکول فائنل امتحان پاس کر لیتے ہیں وہ صرف ایک سال کی حربی تعلیم پانے کے لیے مجبور کیے جاتے ہیں۔

افسر و مصارف

افسر زیادہ تر زمیندار امیروں میں سے لیے جاتے ہیں۔ اور ان کو زیادہ تر تعلیم و تربیت انگریزی افسروں کی طرح دی جاتی ہے۔ جنگ شروع ہونے کے وقت جرمنی کی سلطنت میں تربیت یافتہ سپاہیوں کی تعداد غالباً ساٹھ[2] لاکھ تھی۔ اور جرمنی کی افواج کا سالانہ خرچ قریب چھ کروڑ پونڈ کے تھا۔ اور برطانیہ کی سپاہ کے مصارف

ع[1]۔ نوٹ۔ محفوظہ فوج میں سب سے زیادہ عمر کے لوگ "لینڈاسٹرم" ہوتے ہیں اور وہ صرف اُس وقت طلب کیے جاتے ہیں جب ملک پر کوئی حملہ آور ہوتا ہے اور اُن سے ذرا کم عمر کے لوگ "لینڈوہر" کہلاتے ہیں۔ ۱۲

ع[2]۔ یعنی "جنگی" درجہ پر روشیا کا۔ ۱۲

دو کروڑ اسّی لاکھ پونڈ تھے - برطانیہ کی سپاہ کو تنخواہ دی جاتی تھی اور سلطنت میں اس سپاہ کے آمد و رفت کے مصارف تعداد کو دیکھتے ہوئے جرمنی کی فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ تھے اور نسبتاً زیادہ خرچ تھا۔

فرانسیسی فوج

فرانسیسی افواج میں بھی جرمنی کی سپاہ کی طرح ملک کے سب جوان شامل ہیں - اُن کی تربیت کا زمانہ تین سال ہے اور اُن کی آخری محفوظ فوج "ٹیری ٹوریل" کہلاتی ہے - آغاز جنگ کے وقت سب عمروں کے تربیت یافتہ سپاہیوں کی تعداد چالیس لاکھ سے کسیقدر کم تھی۔

روسی اور آسٹریا کی فوج

آسٹریا کی فوج کی تعداد قریب چالیس لاکھ کے تھی اور **روسی فوج** کی تعداد قریب پچاس لاکھ کے تھی - اس طرح سے یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ واقعی تعداد کے لحاظ سے فریقین کا پلہ قریب قریب برابر ہے - لیکن ترتیب و انتظام کے اعتبار سے جرمنی کی فوجیں بہت زیادہ فائق تھیں - اور متحدین کے مقابلہ میں وہ میدان جنگ میں پہلے صف آرا ہونے کے لائق تھیں اس کے خلاف روسی فوجوں کو تیار ہونے اور صف آرا ہونے میں بہت دیر لگی۔

سپہ سالار

سپہ سالار

برطانیہ کی تمام بری افواج کو جنگ میں مصروف کرنے کا انتظام و اختیار **لارڈ کچنر** کے سپرد ہے - جو حربی صیغہ کا وزیر ہے - اُس کی اب چونسٹھ برس کی عمر ہے - لارڈ موصوف نے حربی تجربہ اور شہرت مصر اور جنوبی افریقہ میں حاصل کی ہے اور اب کوئی فوجی افسر ایسا زندہ نہیں ہے جس نے لارڈ کچنر سے زیادہ فوجوں پر کمان کی یا جنگ دیکھی ہو - اُس میں انتظامی قوت بہت زیادہ ہے۔

وہ فوجوں کو ایک موقع پر جمع کرسکتا ہے ۔ صحیح افسر کا انتخاب کرسکتا ہے ۔ اور بڑے سامان رسد اور گولے بارود وغیرہ کا جو ان فوجوں کو درکار ہوتی ہے بندوبست اور اہتمام کرسکتا ہے ۔ قوم اُس پر اس لیے اعتماد کرتی ہے کہ سپاہ نے اُس پر ہمیشہ بھروسہ کیا ہے کیونکہ اُس نے اپنے تئیں ہمیشہ دور اندیش ثابت کیا ہے اور اُس کو کامیابی ہوئی ہے ۔ جس وقت یہ جنگ شروع ہوئی تو لارڈ کچنر نے بے پس و پیش کہا کہ کام کرنے والی فوج میں دس لاکھ جوانوں کا ضرور اضافہ ہونا چاہیے اور چھ ماہ میں وہ اُن کو تربیت بھی کردیگا اور سامان سے مُسلح بھی کردیگا ۔ اور یہ سب سے بڑا حربی کارنمایاں تھا جو قوم کے واسطے کبھی کسی نے کیا ہے ۔ اور ہمارے پاس یہ خیال کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ لارڈ کچنر نے یہ کام پورا کردکھایا ۔

سر جان فرنچ

میدانِ جنگ میں برطانیہ کی فوج کا سپہ سالار سر جان فرینچ ہے جس کی عمر باسٹھ سال کی ہے ۔ اصل میں سواروں کی سپاہ کا وہ افسر تھا اور اسی صیغہ حرب سے اُس کا تعلق تھا اور اُس نے اپنی قوتِ فیصلہ اور فراوانیِ تدابیر کی قابلیت کی وجہ سے جنوبی افریقہ میں نام پیدا کیا ۔ موجودہ جنگ میں سر جان فرنچ نے اپنی شہرت قایم رکھی ہے اور حقیقت میں کوئی دوسرا شخص جس میں یہ سب قابلیتیں نہ ہوتیں مونز سے مراجعت کے دوران میں سپاہ کو سلامت نہ رکھ سکتا تھا ۔

جنرل جوفرے

فرانسیسی افواج کا سپہ سالار جنرل جیوفرے ہے ۔ اُس کی عمر اب ترسٹھ ۶۳ برس کی ہے ۔ لارڈ کچنر کی طرح اُس نے صیغۂ انجنیری میں خدمات انجام دی تھیں اور اسی فنِ انجنیری کی بدولت شاید وہ فرانس کے مدافعت کے مقامات مستحکم کرنے کے لائق ہوا ہے ۔ اب تک فرانسیسی فوج آگے بڑھنے اور حملہ کرنے میں سب سے زیادہ قوی خیال کی جاتی تھی ۔ لیکن خندقوں کی طولانی جنگ میں وہ بالکل اپنی جگہ پر قابض رہی ہے ۔

قیصر اور اُس کے سپہ سالار

جرمنی فوجوں کی سپہ سالاری قیصر خود کرتا ہے۔ لیکن دراصل یہ بتانا کہ فوج کی نقل و حرکت کی رہنمائی فی الحقیقت وہ کہاں تک کرتا ہے ناممکن ہے۔ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے ایک دفعہ سے زیادہ سپہ سالار تبدیل ہو چکے ہیں۔ جرمن جنرلوں میں سب سے زیادہ کامیاب جنرل وان ہنڈن برگ جو گرانڈ ڈیوک نکولس کا روس میں مقابلہ کر رہا ہے مغرب میں سب سے مشہور جنرل۔ جنرل کلک ہے جو جرمنی افواج کے میمنہ کا اُس وقت سپہ سالار تھا جبکہ پیرس پر جرمنوں کا دھاوا تھا۔ اور برطانیہ کی سپاہ کا اسی جنرل کلک سے مقابلہ ہوا تھا۔

بحری افواج

زمانۂ حال میں بحری فوج میں ملازمت کرنا تمام عمر کا کام ہے۔ سپاہی اور افسر بحری فوج میں لڑکے بھرتی ہوتے ہیں اور سپاہ سے صرف اُسی وقت جدا ہوتے ہیں جب پنشن دیدی جاتی ہے۔ برطانیہ کی بحری افواج میں افسروں اور سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار ہے۔ فرانسیسی بحری فوج کی تعداد ساٹھ ہزار ہے اور جرمنی کی اسّی ہزار ہے۔

فریقین کے جنگی جہاز

جنگ شروع ہونے کے وقت مختلف قوموں کے جہازوں کی تعداد حسب ذیل تھی

		برطانیہ	فرانس	جرمنی
۱	جنگی جہاز ڈریڈ ناٹ	۲۴	۴	۱۶
۲	جنگی کروزر	۱۰	×	۵
۳	ڈریڈ ناٹ سے پرانے جہاز	۶۴	۳۸	۲۹
۴	کروزر	۸۳	۱۳	۴۳
۵	برباد کرنے والے چھوٹے جہاز	۲۲۵	۸۴	۱۳۰
۶	تارپیڈو کشتیاں	۱۰۶	۱۵۰	۸۰۰

برطانیہ کے جنگی جہازوں کے بیڑے کی رہنمائی سر جان جیلی کو - کے سپرد ہے - اُن کی اب پچپن برس کی عمر ہے اور سمندر میں اس بیڑے کی نقل وحرکت اُسی کی ہدایت کے موافق ہوتی ہے - خشکی میں اس بیڑے کے انتظام واہتمام کا کام مسٹر ونسٹن چرچل وزیر کے سپرد ہے اور اُس کو فرسٹ لارڈ آف ایڈمیرلٹی (صدر امیر البحر) کا خطاب ہے جرمن کا امیر البحر وان ٹرپٹنر ہے۔

باب ہفتم

بحری جنگ

ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ " غیر متوقعہ وہی جو واقع ہو جائے " ایسی بات اس جنگ میں بہت زیادہ پیش آئی ہے - اور اس جنگ کی سب سے زیادہ دلچسپ تاریخ لکھنے کا شاید یہ طریقہ ہوگا کہ ہر فریق کی امیدیں بتائی جائیں اور یہ دیکھا جائے کہ یہ امیدیں کہاں تک پوری ہوئیں -

جرمنی کی بحری افواج کے صدر مقام کیل اور ول ہلمس ہیون میں ہیں - یہ دونوں مقام دشمن کے جہازوں سے محفوظ ہیں - ول ہلمس ہیون کے سامنے ہیلی گولینڈ کا مضبوط جزیرہ واقع ہے - بحر شمالی کا ساحل اوتھلا اور ایسے جہازوں کے لیے خطرناک ہے جو اُس ساحل سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں - اور سمندری سرنگیں ہر جگہ بچھا دی گئی ہیں -

یہ دونوں مرکز روس یا انگلستان کے خلاف کارروائی کرنے کو بڑے موقع سے قایم کیے گئے ہیں - ان دونوں کو قیصر نے ول ہلیم نہر کے ذریعے

ملا دیا ہے چنانچہ چند گھنٹے میں جرمنی کے جہاز بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ شمالی میں آسکتے ہیں اور برطانیہ کے بیڑے کو ہرگز صحیح معلوم نہیں ہوسکتا کہ جرمنی کے جہاز کہاں ہیں۔ لیکن باوجود اس کے جرمنوں نے یہ تجویز کر رکھا ہے کہ اُن کے جہاز باہر نہ نکلیں اور انگریزی جہازوں پر حملہ نہ کریں۔ اگرچہ جرمنوں کے جہاز۔ اُن کی توپیں اور اُنکی بحری فوج انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے بالکل لائق ہے تاہم اُن کی قوّت کم ہے اور وہ جنگ کر کے خطرے میں پڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ اُن کی تجاویز حسب ذیل معلوم ہوتی ہیں:-

یکم۔ سُرنگوں اور تارپیڈوؤں کے ذریعہ سے برطانیہ کے جہازوں کو ایک ایک کر کے برباد کرنا۔ اسی نیت سے جرمنوں نے صرف اپنے ہی ساحلوں کو نہیں بلکہ برطانیہ کے ساحلوں کو بھی سُرنگوں سے پاٹ رکھا ہے۔ اور بحرِ اعظم اٹلانٹک میں دور تک آیرلینڈ کے مغرب میں یہ سُرنگیں پڑی ہیں۔ اور جرمنوں کی آبدوز کشتیوں نے برطانیہ کے جہازوں پر رات دن حملے کیے ہیں۔ لیکن اُن کو صرف ایک بڑی کامیابی ہوئی ہے یعنی اُنھوں نے برطانیہ کے تین جنگی جہاز یعنی کریسی - ابوکر اور ہوگ غرق کر دیے۔ ان تینوں کو ایک ہی آبدوز کشتی نے غرق کیا اور وہ صحیح وسلامت جرمنی کو واپس چلی گئی۔ جہاز تو خیر پُرانے اور بہت قیمتی نہ تھے لیکن ایک ہزار چار سو آدمی اُن کے ساتھ ایسے غرق ہوگئے کہ اس نقصان پر جس کی تلافی نہیں ہوسکتی انگریزوں میں ماتم ہے۔

دوم۔ مسلح جہازوں کے ذریعہ سے انگریزی تجارت کو کھلے سمندروں میں برباد کرنا۔

ایک بات میں بحری جنگ کا آئین برّی جنگ کے آئین سے مختلف ہے۔ یعنی یہ کبھی قاعدہ نہیں رہا ہے کہ سمندر میں نجی مال کا لحاظ کیا جائے وہ مال کسی کا کیوں نہو

لیکن اگر ایسے جہاز میں جارہا ہو جس پر دشمن کا پھریرا اُڑتا ہو تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ اور جرمنی کو ہر ایک حق برطانیہ کی تجارت پر حملہ کرنے کا حاصل تھا۔ چنانچہ ایسے حملے کرنے کی تجویز جرمنی نے کسیقدر تو اپنے جنگی جہازوں کے ذریعہ سے کی اور کچھ تجارتی جہازوں کے وسیلے سے جو خاص طور سے چند چھوٹی توپوں سے مسلح کر دیے گئے تھے پوری کی۔ بعض جرمنی کے تجارتی جہازوں کے اندر توپیں رکھ دی گئی تھیں کہ جنگ کا اعلان ہوتے ہی فوراً کام کے لیے اوپر لگا دی جائیں اور برطانیہ کے جہازوں پر حملہ آور ہوں۔

[illegible]

اس تجویز میں بھی جرمنوں کو کامیابی نہ ہوئی۔ وہ بہت سے مسلح جہاز کھلے سمندروں میں بھیجنے کے قابل نہ ہوئے اور جو کچھ اُنھوں نے بھیجے تھے وہ یا تو برباد کر دیے گئے یا گرفتار کر لیے گئے۔ اور اس کے واسطے ہم برطانیہ کی بحری فوج کے شکر گزار ہیں۔ برطانیہ کے بیڑے میں بہت سے تیز رفتار جہاز ہیں جنھوں نے بحیرۂ شمالی سے باہر آنے کے راستوں کی کامیابی کے ساتھ نگرانی رکھی اور جرمنی کے ایسے جنگی جہازوں کو جو کھلے سمندروں میں آزاد تھے دوڑ کر پکڑ لیا اور برباد کر دیا۔ ایسے آزاد جہازوں میں سب سے مشہور "ایمڈن" تھا جو سنگاپور سے بھاگ بچا تھا اور چند ہفتے تک بحر ہند میں پھرتا رہا۔ اس جہاز نے قریب بیس کے برطانیہ کے جہاز غرق کر دیے اور آخر کار اُس کو آسٹریلیا کے جنگی جہاز "سڈنی" نے پکڑا۔

ایمڈن

ایمڈن نے جزیرۂ کوکوس کے بے تار کے تار برقی کے اسٹیشن پر حملہ کیا تھا اور اسٹیشن والوں نے مدد کے واسطے فریاد کی اور یہ فریاد کا پیغام "سڈنی" جہاز کو پہنچ گیا اور وہ موقع پر آ گیا اور ایمڈن بھاگ نہ سکا۔ "سڈنی" زبردست جہاز تھا اور اُس نے جلد ایمڈن کو پاش پاش کر دیا۔

جب جرمنی کو اپنی دونوں تجویزوں میں مایوسی ہوئی تو اُنھوں نے برطانیہ

جرمنی کے جہازوں کے چھاپے انگلستان کے ساحل پر

پر حملہ کرنے کی اپنی دوسری تجویزوں میں ترقی نہ کی یہ یقینی ہے کہ جرمنی کی کچھ اور بھی تجویزیں تھیں لیکن یقینی طور سے معلوم نہیں کہ وہ کیا تجویزیں تھیں۔ بس صرف یہاں تک یقینی ہے کہ اگر اُن کی فوجیں کیلے لے سکی ہوتیں تو وہ برطانیہ کے ساحل سے قریب تر ہو جاتے اور اگر برطانیہ کا بیڑہ آبدوز کشتیوں اور تارپیڈوؤں کی نقصان رسانی سے کمزور ہو جاتا تو جرمنی کا بیڑہ راستہ روک لیتا اور جرمنی کی فوجیں برطانیہ کے ساحل پر اُتار دی جاتیں۔ لیکن ابھی تو یہ سب خواب وخیال ہے۔ اب تک جو کچھ جرمنی سے ہو سکا ہے وہ یہی کہ اُس نے صرف ایک کامیاب چھاپہ انگلستان کے ساحل پر مارا ہے۔ سرما کی طولانی شب میں اُس کے سب سے تیز رفتار جہاز بحیرۂ شمال کو مخفی طور سے عبور کر کے آئے اور ہارٹل پول وِٹ بی۔ اور اسکار برو پر گولہ باری کی۔ اِن تینوں مقامات میں سے صرف ہارٹل پول ایک ایسا مقام تھا جہاں حفاظتی لوازمات موجود تھے۔ تینوں مقاموں کو نقصان پہنچا اور بہت سے سویلین جن کو فوج سے تعلق نہ تھا مارے گئے۔ دوسری صبح کو جرمنی کے چار جہاز کُہر کی آڑ اور پردے سے فائدہ اُٹھا کر اپنے قیام گاہ پر بھاگ گئے۔ اس کے بعد دوسرے چھاپے میں جرمنوں کو پہلے چھاپے سے کم کامیابی ہوئی۔ یعنی جرمنی کے جہازوں کو برطانیہ کے جہازوں نے دیکھ لیا اور وہ ہیلی گو لینڈ کو بھاگ گئے اور اسی بھاگتی ہوئی جنگ میں اُن کو ہزیمت دی گئی۔ اور جرمنی کا ایک جنگی جہاز جس کا نام بلوشر تھا غرق ہو گیا اور دو جہازوں کو شدید نقصان پہنچا۔

برطانیہ کے بیڑے کی کارگزاری

اب برطانیہ کے بیڑے کا حال لکھکر یہ دکھایا جاتا ہے کہ یہ بیڑہ کیا کام کر رہا ہے۔ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے ان جہازوں کے صدر مقام اسکیپا فلو (جزائر آرکینی میں) روسیتھ (فرتھ آف فورتھ میں) اور ڈوور ہیں۔ ان کا مقصد مختصر الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

یکم۔ بحیرۂ شمالی کو جرمنی کے جہازوں کے لیے بند کر دینا۔

(برطانیہ کی تجارت کا تحفظ)

یہ دو باتوں کے لیے ضروری ہے۔ یعنی جرمنی کے جنگی جہازوں سے برطانیہ کی تجارت کو محفوظ کرنا اور جرمنی کے سامانِ حرب کا راستہ قطع کر دینا۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ برطانیہ کی تجارت محفوظ ہے۔ اور جہاں تک ایسے جہازوں سے تعلق ہے جو جرمنی کے ساتھ تجارت کرتے ہیں دوسرا مقصد بھی حاصل ہو گیا ہے۔ اس تجارت کا جو جرمنی کے بندرگاہوں سے ہوتی تھی خاتمہ ہو گیا۔ جرمنی کی اُس تجارت کی جو دوسرے غیر جانبدار ممالک مثلاً ڈنمارک وغیرہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے ایک دوسری حالت ہے۔ اور ایسی تجارت کا انسداد کرنا بحری صیغۂ حرب کے حدِ اختیار میں نہیں ہے۔

(دوسرا مقصد)

دوم۔ انگلستان کو یورشوں اور اچانک چھاپوں سے محفوظ رکھنا۔

دوسرا مقصد بھی نہایت حیرت انگیز طریقہ اور قابلِ اطمینان درجہ پر حاصل ہو گیا ہے۔ ہر ایک ممکن اچانک چھاپے سے انگلستان کے ساحل کی ہر وقت حفاظت کرنے کو یہ ضروری ~~تھا~~ بہت سے قیمتی جہاز جو دوسرے کاموں کے لیے مطلوب ہیں آبدوز کشتیوں کے حملوں کے خطرے میں ڈالنے پڑتے۔ اور ہماری تجویز یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان جہازوں کو آبدوز کشتیوں سے دور رکھیں اور یہ کشتیاں صرف جرمنی کے ساحل کے قریب کام کر سکتی ہیں۔ پس اگر اس وجہ سے انگلستان کا ساحل اتفاقیہ حملے کے لیے کھلا رہ گیا ہے تو اُس حملے کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہیے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا حملہ صرف دو دفعہ ہوا اور تیسری دفعہ ارادہ کیا گیا تو سخت سزا دی گئی۔

(تیسرا مقصد)

سوم۔ ان جہازوں کی حفاظت کرنا جو فرانس کو فوجیں لے جاتے ہیں۔

یہ فرض اُن جنگی جہازوں کا ہے جو ڈوور پر متعین ہیں۔ اور دیکھو یہ فرض کس طرح انجام دیا گیا ہے۔ تین لاکھ فوج فرانس کے ساحل پر اُتاری گئی۔ چار ماہ سے اس کو باقاعدہ سب سامان برابر بھیجا جا رہا ہے۔ اور بیمار و مجروح فرانس سے واپس لائے جا رہے ہیں۔

لیکن ایک بھی حادثہ نہ ہوا۔ ان جنگی جہازوں نے جس مصیبت کو روکا اور جس آفت کو واقع نہ ہونے دیا اُس کا اندازہ تو اُس ڈچ جہاز کی قسمت دیکھنے سے ہو سکتا ہے جس پر بلجیم کے صدہا پناہ گیر سوار تھے اور جرمنی کی ایک آبدوز کشتی نے اُس کے تارپیڈو مار کر سب کو غرق کر دیا تھا۔

بیڑے کا اثر

اب ہم کو معلوم ہو گیا کہ ایک زبردست بیڑا خشکی میں معاملات کی حالت کو کس قدر تبدیل کر دیتا ہے۔ اس بیڑے نے صرف **انگلستان** کو یورش سے بچا ہی نہیں لیا ہے بلکہ **برطانیہ** کی سپاہ کو اپنے ملک کی حفاظت اور **جرمنی** کے مقابلے میں **یوروپ** کی طاقتوں کو مضبوط کرنے کی غرض سے **بلجیم** کے میدانوں میں جنگ کرنے کے لائق بنا دیا ہے۔

جرمن جہازوں پر حملہ

جرمنی کے جنگی بیڑے سے بڑی جنگ کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے اور وہ بیڑا یا تو امید کی حالت میں یا مایوسی کے ساتھ اپنے قیام گاہوں میں محفوظ کھڑا ہے۔ لیکن **ہیلی گولینڈ** کی توپوں کی زد میں **جرمن** جہازوں پر ایک دلیرانہ کامیاب حملہ ہو چکا ہے۔ صحیح خبر پا کر کُہر سے فائدہ اُٹھایا گیا اور **برطانیہ** کے چند جہاز صبح کو مخفی طریقہ سے روانہ ہوئے اور جرمنی کے جہازوں پر جو وہاں کی جائے پناہ میں حملہ کیا اور جرمنی کے کم سے کم دو جہازوں **مینز** اور **کولن** کو غرق کر کے جو اول درجہ کے جہاز تھے۔ بخیریت سے واپس آ گئے۔

کھلے سمندر میں پرانی وضع کی بغیر سرنگوں اور تارپیڈو کشتیوں کے دو لڑائیاں ہوئی ہیں۔ **جنوبی بحر اعظم پاسفک** میں جرمنوں کے نوی جنگی جہاز تھے۔ **وال پیریزو** کے قریب چار برطانیہ کے جہازوں سے اُن کا مقابلہ ہوا اور جرمنی کے دو جہاز برباد ہو گئے۔ چند ہفتے کے بعد پھر جرمنی کے جہازوں نے جنوبی سمندر میں **جزائر فاک لینڈ** کے قریب **برطانیہ** کے ایک کوئلہ لینے کے اسٹیشن پر حملہ کیا۔ **برطانیہ** کے صیغۂ بحری

کو اس ارادے کی کچھ خبر مل چکی تھی - چنانچہ ایک زبردست فوج اس مقام پر متعین کر دی گئی تھی اور جال بچھا دیا گیا تھا - اور ایک پتھریلی راس کے عقب میں دو زبردست جنگی جہاز کھڑے کر دیے گئے تھے - اور تین جہاز اُن سے کمزور سامنے کھلے سمندر میں کھڑے چھوڑ دیے گئے - جرمنی جہاز اُن کو یقینی شکار خیال کر کے اُن پر ٹوٹ پڑے - بس اُسی حال میں برطانیہ کے جہاز کمینگاہ سے باہر نکل آئے اور جرمنی جہازوں کو برباد کر دیا - جرمنی کے جہازوں نے اطاعت سے انکار کیا اور صرف ایک جہاز بچکر نکل سکا - برباد ہونے والے جہازوں میں **اسکارن ہورسٹ** جہاز بھی تھا جو ایک سال قبل **قیصر** کا طلائی تمغہ **جرمنی** کے جہازوں میں سب سے اچھے نشانے لگانے کے انعام میں جیت چکا تھا -

بحر روم کے متعلق اب ذرا سا حال لکھنا باقی رہا ہے - اس سمندر میں متحدین کی بحری قوت میں خاص قوت **فرانس** کی ہے اور اُسی کا امیر البحر **برطانیہ** کے جہازوں کا بھی جو اس سمندر میں متعین کیے گئے ہیں اعلیٰ افسر ہے - جس وقت جنگ کا آغاز ہوا تو بحر روم کے جنگی جہازوں کا خاص فرض یہ تھا کہ **الجزائر** سے جو فوج **فرانس** کو بھیجی جائے وہ بحفاظت تمام **فرانس** کو پہنچ جائے - اس حفاظت کی اس لیے ضرورت تھی کہ **جرمنی** کا ایک ڈریڈ ناٹ **گوبن** - **بحر روم** میں موجود تھا - اور **آسٹریا** کے بھی چند لیکن مضبوط جہاز موجود تھے - چنانچہ حفاظت میں پوری کامیابی ہوئی اور **الجزائر** سے **فرانس** کو سب فوج حفاظت کے ساتھ پہنچ گئی - اُس وقت سے متحدہ جہازوں نے **آسٹریا** کے خلاف **بحیرہ ایڈریاٹک** کا راستہ بند کر رکھا ہے اور قریب قریب وہی حال ہے جو **برطانیہ** کے جنگی جہازوں نے **بحیرہ شمالی** کا کر رکھا ہے - **آسٹریا** کی بحری قوت کا صدر مقام **پولا** میں ہے اور **آسٹریا** کا خاص بندرگاہ **ٹریسٹ** ہے - سرنگوں اور قلعوں نے ان مقامات کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ کوئی حملہ

نہیں کرسکتا - ان دونوں کے راستے مسدود کر دیے گئے ہیں اور چھوٹی لڑائیاں بھی ہوئی ہیں -

ترکی کی بحری قوت

جب سے ٹرکی جنگ میں شریک ہوا ہے درۂ دانیال کا راستہ بھی جنگی جہازوں کے ذریعہ سے بند کردیا گیا ہے ٹرکی کی اپنی ذاتی بحری قوت برائے نام ہی لیکن جرمنی کے ڈریڈ ناٹ گوبن کے پہنچ جانے سے وہ طاقت مضبوط ہوگئی ہی اور درۂ دانیال مستحکم کردیا گیا ہے اور سرنگیں بچھادی گئی ہیں - ایک موقع پر ایک برطانیہ کی آبدوز کشتی پانی کے نیچے نیچے سرنگوں سے بچتی ہوئی ٹرکی کے جنگی جہاز مجیدیہ کے پاس پہنچ گئی اور اُس کو اُڑا دیا اور ایسا نمایاں کام کرکے جس سے بڑھکر دوران جنگ میں نہ ہوا ہوگا بعافیت تمام یہ آبدوز کشتی واپس آگئی -

بحری جہازوں کی خوبی

اب بحری جنگ کا تذکرہ سردست ختم کیا جاتا ہے - اس سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ برطانیہ کے بیڑے نے وہ تمام خدمات انجام دیں جن کے واسطے وہ بنایا گیا تھا بلکہ بحری جنگ کے متعلق اُس کے تعمیر کرنے والوں کی رائے صحیح تھی - ہماری فتوحات کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جہاز تیز رفتار ہیں - ہماری توپیں بڑی ہیں اور نہایت فاصلے سے بھی وہ صحیح نشانہ لگاتی ہیں - برطانیہ کے سیدھے بحری لئے انھیں باتوں پر مسلسل سے زور دیا تھا - خصوصاً سر جان فشر نے جس پر ہماری زمانہ حال کی حکمت عملی کا دار و مدار ہے -

بابِ ہشتم

برّی جنگ

مغربی میدانِ کارزار

برّی جنگ کا حال لکھتے ہوئے بھی ہم بحری جنگ کی طرح یہ دیکھیں گے کہ فریقین کے مقاصد کیا تھے اور وہ کہاں تک پورے ہوئے۔ لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ ایسا کرنے میں ہمارے پاس نہایت یقینی اسباب موجود نہیں ہو سکتے کیونکہ سپہ سالاروں نے دنیا کو اپنا رازدار نہیں کیا ہے۔ اور ہم کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ واقعی اُن کی تجویزیں کیا تھیں۔ نہ ہم کو ٹھیک طور سے ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ جنگ کس پیرا پر کی گئی اور اُس کا نتیجہ کیا ہوا اور لڑنے والی سپاہ کی تعداد کی طرف سے بھی ہم کو آگاہی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہمکو بہت ناواقفیت رہی۔ پس اگر ہم اپنی ناواقفیت کی حد کا غلط اندازہ نہ کریں تو ہم چند ہی ایسے نتائج نکال سکتے ہیں جن میں غلطی کا احتمال نہو اور ایسے ہی واقعات کا کسی قدر پتہ لگا سکتے ہیں جو بڑے پیمانہ پر ہو رہے ہیں۔

جرمن لوگوں کا کھلا مدعا یہ تھا کہ **فرانس** کو کچل کر کارروائی کا آغاز کریں۔ اُن کو معلوم تھا کہ روس کو اپنی افواج میدان میں لانے میں عرصہ درکار ہوگا اور اُن کو مشرقی سمت میں اپنی مدافعت کی طاقت کا حال معلوم تھا اور اُس پر اعتماد تھا اور اُن کی پہلی چال یہی تھی کہ **فرانس** پر اپنی فوجیں جمع کریں۔

فرانس کی جانب جرمنی کی سرحد دریائے رین کے موڑ سے شروع ہوئی

ہی جہاں دونوں ملک یعنی جرمنی اور فرانس سوئزرلینڈ سے ملتے ہیں۔ اور اس مقام سے یہ سرحد شمال و مغرب کی سمت میں پھیلتی ہے۔ چند میل تک یہ سرحد کوہستانی ملک میں ہو کر جس کا نام وُاسجز ہے گزرتی ہے اور یہ کوہستانی خطہ حملہ آور کے مقابلہ میں ایک طبعی حفاظت ہے۔ اس کے بعد صاف کھلا ہوا کچھ اور ملک پڑتا ہے جس میں دریائے موزلے رہن سے جا ملنے کو بہتا ہے اُس کے بعد جنگل سے ڈھکا ہوا کوہستانی خطہ آرڈنس کا آتا ہے اور پھر کھلا ہوا شمالی مشرقی حصہ فرانس کا میدان ہے۔ جو بلجیم کی سرحد پر واقع ہے۔ اس تمامی سرحد پر فرانس کے جابجا قلعے ہیں اور سڑک اُن کی زد میں ہے۔ بیلفوریٹ انتہائی جنوب میں ہے۔ ورڈن۔ واسجز اور آرڈنس کے درمیان عین وسط میں واقع ہے اور ماہیوگ بلجیم کی سرحد پر ہے۔ جرمنی افواج کے خاص و حاوے کی سمت بلجیم میں ہو کر ماہیوگ کی طرف تھی۔ یہ فوجیں لکسمبرگ میں بھی داخل ہوئیں اور ورڈن کی طرف بڑھیں اور خود ان افواج کا صدر مقام ایکسلاسٹےپل اور سچیٹر میں ایکس اور ماہیوگ کے درمیان بلجیم کا غیر جانبدار ملک واقع تھا۔ جس کو جرمنی افواج چند گھنٹے میں عبور کرنا چاہتی تھیں۔

حقیقت میں جرمنی افواج کو سرحد پر لانے کے لیے چند ہی گھنٹے کافی تھے۔ اُن کا انتظام۔ اُن کی تیاریاں اور اُن کے حملے کی سُرعت تاریخ کی سب سے زیادہ حیرت خیز چیزوں میں سے ہے۔ لیکن چند گھنٹوں میں بلجیم کی فوجیں بھی متحرک ہو گئیں اور ادھر جرمن افواج کے سامنے لیج کا قلعہ واقع تھا۔ جرمن اس قلعہ کو اپنے عقب میں غیر مفتوح چھوڑنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ وقت قیمتی تھا۔ اُن کی قلعہ شکن توپیں اُن کے قریب نہ تھیں پس اُنھوں نے لیج پر پیدل سپاہ سے حملہ کیا۔ حملہ میں کامیابی ہوئی۔ لیکن اتلافِ جان اسقدر ہولناک ہوا کہ پھر نامور سنے قلعہ

پر جرمنوں نے پیدل سپاہ سے حملہ نہ کیا۔ اُنھوں نے اپنی قلعہ شکن توپوں کا انتظار کیا۔ جنھوں نے نامور کو فوراً مسمار کر دیا اور جرمن چند روز میں فرانس پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھیں چند روز میں اُنھوں نے بلجیم کے دارالحکومت برسلیس کو فتح کر لیا۔ اور اسّی لاکھ پونڈ تاوان لیکر شہر کو غارت کیے جانے سے محفوظ رکھا لیکن وسطی بلجیم کا قریب قریب ہر قریہ اور قصبہ جلا کر خاکستر کر دیا۔ بلجیم کی سپاہ مغلوب ہو کر لڑتی ہوئی شمال میں اینٹورپ کو چلی گئی۔

اس دوران میں فرانسیسی فوج جمع کی جا رہی تھی اور انگریزی فوج فرانس کے ساحل پر بولون میں اُتاری جا چکی تھی۔ بلجیم پر آسان فتح تو ختم ہو گئی اور اب جرمن افواج کو زیادہ زبردست فوجوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن جرمن فوجیں ان کو بھی مغلوب کرنے کے لائق تھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے فرانسیسی فوج کو جس کے ہمراہ انگریزی امدادی فوج بھی آہستہ آہستہ مابیوگ سے ورڈون تک پیچھے ہٹا دیا۔

انگریزی فوج کا حال ہم ذرا تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔ یہ انگریزی فوج سرجان فرنچ کے زیر کمان تھی۔ اگرچہ اس فوج کی صحیح تعداد ہم کو کبھی نہیں بتائی گئی ہے لیکن ہم قیاس کرتے ہیں کہ اُس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اس فوج کی موجودگی اور اُس کے سخت مقابلے نے جرمنوں کو غیظ سے بھر دیا اور اُنھوں نے اُس کے برباد کرنے کا خاص انتظام کیا۔ اور حقیقت تو یہی ہے کہ انگریزی فوج بربادی سے بال بال بچ گئی۔ وہ بلجیم کے درمیان مونز میں مقیم تھی۔ یہ مقام مابیوگ سے ذرا شمال میں ہے چنانچہ یہ فوج جرمن افواج کے داہنے بازو کے مقابلہ میں تھی اور خود فرانسیسی فوج کا بایاں بازو تھی۔ یہ فوج ایک بڑا دھاوا کر کے ۲۲۔ اگست کو اس مقام پر پہنچی تھی اور ۲۳۔ اگست کو شام کے وقت جنرل فرنچ کو فرانسیسی افواج کے سپہ سالار جنرل جیوفرے کا نہایت غیر متوقع مراسلہ اس مضمون سے ملا کہ دو لاکھ جرمن فوج اُس کی فوج کے بائیں جانب بڑھی

جنرل فرنچ کی فوج کا مونز سے ۲۰ میل مراجعت

ہو رہی ہے - اور فرانسیسی فوج کو جو انگریزی فوج کے داہنی طرف تھی شکست ہوگئی اور وہ بھاگ رہی ہے - چنانچہ جنرل فرنچ کے لیے بھی اب نہایت اشد ضرورت تھی کہ پیچھے کو ہٹے - اور ۲۴ - اگست کو صبح کے وقت اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا - اور ماہیوگ کے قلعہ کے پاس پہنچ گیا جس کو اُس نے اپنے داہنے بازو کی طرف لے لیا - اب جرمنوں نے اُس کو قلعہ کی دیواروں کے نیچے رکھنے اور وہاں گھیر لینے کی کوشش کی اور ۲۵ - اگست کو سخت جنگ واقع ہوئی - لیکن انگریزی فوج اپنی مراجعت میں کامیاب ہو کر ۲۵ - اگست کی شام کو کیمبرے پہنچی - ۲۶ - اگست کو تمام دن اور بہت رات گئے تک وہ برابر مراجعت کرتی رہی اور ۲۷ - ۲۸ - اگست کو کچھ فرانسیسی فوج کی کمک پہنچی - اس وقت انگریزی فوج کوم پین کے قریب تھی اور مونز سے ۷۰ میل آچکی تھی -

مراجعت میں نقصان

اس مراجعت میں قریب چھ ہزار کے فوج کام آگئی مگر سپاہ محفوظ رہی جرمن فوج بھی اس قدر تھک گئی تھی کہ زیادہ تعاقب اور حملہ نہ کر سکی - جرمنی کی سپاہ نے عدم شجاعت کے لحاظ سے کسی خامی کا ثبوت نہ دیا - اس سپاہ کے سیلاب برطانیہ کی فوج پر ٹوٹتے تھے اور لاکھوں نے اپنی جانیں دے دیں لیکن بیفائدہ دے دیں -

جرمن فوج کا پیرس کے قریب پہنچنا

کوم پین پہنچکر برطانیہ کی فوج خطرے سے نکل گئی - فرانسیسی فوج امینس سے آکر انگریزی فوج کے بائیں بازو پر قائم ہوگئی اور پھر انگریزی اور فرانسیسی متحدہ فوجیں اِسنی اور مارنی ندیوں کو عبور کر کے پیچھے ہٹ آئیں - جرمنوں نے ریمس پر قبضہ کر لیا - اب تو فرانس کی گورنمنٹ نے اپنے کاغذات باندھے - اور فرانس کے بنک نے اپنا سونا صندوقوں میں بھرا اور دونوں پیرس سے اپنا صدر مقام بورڈو کو منتقل کر لے گئے - جرمنی افواج پیرس سے دس میل کے فاصلہ پر

نظر آنے لگیں اور یہ اب دو چار دن ہی کا سوال رہ گیا تھا کہ وہ پیرس کے قلعوں کو
مسمار کر کے پیرس کی سڑکوں پر نظر آنے کو تھیں۔

لیکن جرمنی کی فوج تھک گئی تھی اور اُس نے ایسے یلغار کیے تھے کہ اُس کی ماندگی
کی کوئی حد باقی نہ تھی۔ وہ اتنی آگے بھی بڑھ آئی تھی کہ اُس کی رسد اُس سے پیچھے رہ گئی تھی۔
اور انھیں وجوہ سے اُس نے اپنے تئیں پیرس کے محاصرے کے قابل خیال نہ کیا۔
کم سے کم بس اسی قدر ہم قیاس کر سکتے ہیں اور اسی قیاس سے جرمنی کی دوسری چال کی
ہم تصریح کر سکتے ہیں۔ بجائے آگے بڑھنے کے جرمنی کی فوج کا داہنا بازو بائیں طرف
روانہ ہوا یعنی جنوب و مشرق کی طرف چلا اور پیرس سے اُس کا فاصلہ زیادہ ہونے لگا۔
یہ بات ۳ ستمبر کو پیش آئی اور فوراً ہی ایک فرانسیسی فوج جو پیرس کے قریب
مقیم تھی جرمنوں کے پیچھے چلی۔ جرمنی کی فوج مارنی ندی کے دونوں کناروں پر تھی۔
اور اب جو جنگ ہوئی وہ جنگِ مارنی کے نام سے مشہور ہے بس اسی نے تمامی محاربے
کا رنگ [illegible] دیا۔ مارنی کے کنارے جرمنوں کو سخت شکست ہوئی اور اب شمال کی طرف
اُنھوں نے مراجعت شروع کر دی۔ اُنھوں نے عمدہ ترتیب کے ساتھ مراجعت کی اور
۷ ستمبر کے بعد سے اُن میں اور متحدین کی فوجوں میں برابر جنگ ہوتی رہی۔ آخر میں جرمن
دریائے اسینی پر پہنچے اور اُس کو عبور کیا اور شمالی کنارے پر استحکام کے ساتھ مورچہ بند ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مقام پر وہ بہت عرصے سے کامل غور کر چکے تھے اور
اُس حالت میں بھی جبکہ وہ خود متحدین کی افواج کا تعاقب کر رہے تھے اسی مقام کو پناہ لینے کے
لیے اُنھوں نے تیار کر لیا تھا۔ شاید اسی خیال سے ایسا کیا تھا کہ ممکن ہے کہ اُن کو پیچھے
ہٹنا پڑے۔

طبیعی حالات کے اعتبار سے یہ مقام نہایت مضبوط ہے۔ یہ ایک اونچی پہاڑی کے
اوپر ہے اور اُس کے سامنے جلد مورچہ بندیاں اور خندقوں کا ایسا انتظام کر دیا گیا کہ پھر سامنے سے

اُس پر حملہ کرنے میں کسی کو کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ایسے حملوں کی آزمائش کی گئی لیکن ان حملوں میں کامیاب ہونے کی امید سے ہاتھ اُٹھا لیا گیا۔ موسم سرما کا آغاز ہوا اور فریقین نے خندقوں میں رہکر ایک طولانی جنگ کی تیاری شروع کی۔

تاریخ میں ایسے خندقوں کے سلسلے کا کہیں پتہ نہیں ہے جیسا اب دریائے **ایسنی** کے کنارے کنارے دیکھا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ مشرق میں **واسجز** کے جنگل اور شمال و مغرب میں شہر **لائل** تک برابر چلا گیا ہے یہ خندق بہت گہرے ہیں اور اوپر سے چھائے ہوئے ہیں پس سپاہیوں کی زندگی زمین کے نیچے بسر ہوتی ہے۔ دونوں طرف کے سپاہی کچھ عرصہ تک خندقوں میں رہتے ہیں اور پھر آرام کرنے کو چلے جاتے ہیں اور اُن کی جگہ دوسرے سپاہی آجاتے ہیں۔ کیونکہ سردی۔ رطوبت۔ تردّد۔ اور ہر وقت ہوشیار رہنا ایسی باتیں ہیں کہ انسان اُن کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کرسکتا۔ کسی نہ کسی قسم کی جنگ ہر وقت ہوتی رہتی ہے۔ تیر نگاہوں سے برابر دیکھا جاتا ہے کہ آڑ سے کوئی باہر تو برآمد نہیں ہوا ہے۔ اندھیری رات میں یکایک حملے کئے جاتے ہیں۔ اور جب ایک فریق کی خندق دوسرے فریق کی خندق کے قریب جا پہنچتی ہے تو اندر ہی اندر نقب لگائے جاتے ہیں اور دشمن کے نیچے سُرنگیں اُڑائی جاتی ہیں۔ اس جنگ میں اب تک کوئی کسی پر غالب نہیں آیا ہے۔ اور غالباً فریقین کو موسم بہار کا انتظار ہے۔

برطانیہ کی وہ فوجیں جو دریائے **مارنی** کی جنگوں میں اور **جرمنی** فوجوں کے مورچوں پر ابتدا میں حملہ کرنے میں شریک ہوئی تھیں بعد کو **بلجیم** بھیجدی گئیں جہاں تازہ واقعات پیش آرہے تھے۔ جب **جرمن** افواج **مارنی** سے ہٹ گئیں تو اُسی وقت اُنھوں نے **اینٹ ورپ** پر حملہ شروع کیا۔ **بلجیم** کی فوج **اینٹ ورپ** کی حفاظت کو کافی نہ تھی اور وہ سمندر کے کنارے ہوتی ہوئی **فرانس** میں ہٹ گئی اور جرمنی افواج نے اُس کا تعاقب کیا۔ اس وقت ایک نئے محاربے کے واسطے جرمنی کی تازہ فوجیں آپہنچی تھیں

خندقوں میں پناہ اور جنگ

غالباً اس نئے محاربے کا منشا کیلے کا فتح کر لینا تھا۔ یا کسی صورت میں فرانس کے شمالی مشرقی گوشہ سے مطلب تھا اور اسی خیال سے برطانیہ کی فوجیں بھی متحرک کر دی پڑیں کیونکہ یہ قدرتی بات تھی کہ وہ سمندر کے قریب اور انگلستان کے نزدیک جنگ کریں۔ چنانچہ ایسنی سے ہٹا کر وہ یپریس کے گرد لائی گئیں جہاں بلجیم کی فوج اُن کے بائیں بازو پر تھی اور فرانس کی فوج سیدھے بازو پر تھی۔

یپریس کے قریب نہایت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اور معرکہ دو ہفتے تک رہا جس میں تیس ۳۰ ہزار کے قریب انگریزی سپاہ کام آگئی۔ چونکہ جرمن حملے کر رہے تھے اُن کا نقصان اس سے بھی زیادہ ہوا اور نتیجہ یہی ہوا کہ انگریزی فوج اپنے موریوں پر قایم رہی۔ اسی طرح بلجیم کی فوج ییسر نہر پر قایم رہی اور لابیسی میں فرانسیسی فوج بڑی جانبازی سے لڑتی رہی۔ اس کا انجام بھی وہی ہوا جو ایسنی کی جنگ کا ہوا تھا یعنی فریقین خندقوں میں بند ہوگئے اور دونوں سرما کی مصیبت اور خندقوں کی جنگ کی طولانی اذیت اُٹھا رہے ہیں۔ بلجیم [illegible] نے سمندر کے قریب نہروں کے بند توڑ کر ملک کے بہت سے حصّہ کو غرقاب کر دیا ہے جس کی وجہ سے جرمن آگے بڑھنے سے رُک تو گئے ہیں لیکن جنگ کی تمام حالتیں نہایت مصیبت خیز ہوگئی ہیں۔

مشرقی میدانِ کارزار

مشرقی میدانِ جنگ کی تصویر کھینچنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ لیکن ہم دریاے وسچولا کے بہاؤ کو نظر کے سامنے رکھ کر حال شروع کرتے ہیں۔ وسچولا پر تین مشہور شہر واقع ہیں یعنی تھورن جرمنی کا ہے۔ وارسا روسیوں کا ہے۔ اور کراکو آسٹریا کا ہے۔ وسچولا کے گرد ہموار میدان واقع ہے اور فوجیں آسانی سے حرکت کر سکتی ہیں۔

پولینڈ

صرف پروشیا کے شمال و مشرق میں دشواری ہے جہاں جھیلیں اور دلدلیں واقع ہیں۔ جرمن کے تمام ملک میں فوجوں کی آمد و رفت کے لیے ریلوں کا جال بنا ہوا ہے اور جرمنوں کو اپنی فوج ایک مقام پر جمع کر لینا آسان ہے۔ پولینڈ میں بہت تھوڑی ریلیں ہیں اور وہ بھی جنگ کی وجہ سے ایسی خراب خستہ ہو گئی ہیں کہ گویا اُن کا عدم و وجود برابر ہے۔ ریلوں کا نہ ہونا روسیوں کے مفید مطلب ہے۔ کیونکہ جرمنی والے اپنی بھاری توپیں اور دوسرا سامانِ حرب جو اُن کے پاس ہے اور روسیوں کے پاس نہیں ہے نہیں لا سکتے ہیں۔

وہ واقعات جو مشرق میں پیش آئے ہیں جنگ کے دُھند میں ایسے پوشیدہ ہو گئے ہیں کہ اُن کی صحیح وضاحت کا ہم دعویٰ نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی ہم جنگ کے تین میدانوں اور اُن کے خاص واقعات میں تمیز کر سکتے ہیں۔

روسی فوجوں کی شکست

وہ مقام جہاں پہلے جنگ شروع کی گئی مشرقی پروشیا تھا۔ روسیوں نے توقع سے زیادہ سرعت کے ساتھ کوچ کیا اور جھیلوں کے درمیان دشواری سے پہنچ کر پروشیا کے چھوٹے چھوٹے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ شاید روسیوں کی یہ نیت تھی کہ مشرقی پروشیا کی طرف کچھ جرمنی کی فوجوں کو متوجہ کر کے فرانسیسیوں کی مدد کریں گے بہرحال روسیوں نے دانشمندی کے خلاف اپنی فوج کو بڑی تیزی سے آگے بڑھا دیا۔ اور پیچھے جرمن جنرل وان ہنڈن برگ نے اس فوج کو پھانس لیا اور ٹنن برگ کی جنگ میں نہایت شدید نقصان پہنچا کر شکستِ فاش دیدی۔

پولینڈ پر یورش

اس کے بعد ہی جرمن افواج نے پولینڈ پر یورش کی اور سرحدی شہر کالیچ سے بڑھکر لوڈز کو فتح کر لیا اور تیزی سے وارسا کی طرف رُخ کیا۔ یہ عظیم الشان شہر پیرس کی طرح جرمنوں کے پنجہ میں معلوم ہوتا تھا۔ جبکہ وہ مراجعت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے

اور اُن کی فوج کالیسچ سے ہٹ کر زینس ٹوچوا کو چلی آئی - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روسی جرمنوں پر پُورا سے طرز جنگ میں جہاں سپہ سالار کا فن "صف آرائی" نہایت ہی ضروری اور مفید ہے سبقت لے گئے - روس کے "گرانڈ ڈیوک نکولس" نے فن صف آرائی میں اپنے تئیں فوقیت ثابت کیا ہے اور اُسی کی صف آرائیوں نے جرمنوں کو واپسی پر مجبور کر دیا -

(وان ہنڈن برگ کی پسپائی)

"وان ہنڈن برگ" نے ہزیمت کو آسانی سے قبول نہ کیا - بلکہ وہ بڑی عجلت سے تھورن کو روانہ ہو گیا اور ڈین زگ سے فوجیں لے آیا اور اُن کو دریائے وسچولا اور وارٹا کے مابین بڑھا یا اور پھر وہ کالیسچ کو گیا اور سیلیشیا سے فوجیں لایا - اور ان کو ساتھ لیکر وہ پولینڈ میں در آیا اور روسیوں کے میمنہ کو پسپا کر کے لوڈز پر پھر قابض ہو گیا - پولینڈ کے وسط میں کئی ہفتوں تک نہایت خوفناک جنگ ہوتی رہی - جس میں فریقین باری باری سے فتح کے دعویدار رہے - اور صرف اسی قدر یقینی ہے کہ فریقین کی طرف بہت اتلاف جان ہوا - اور جرمن ابھی تک وارسا میں نہیں ہیں -

(روسی فوج گلیشیا میں)

جنوب میں جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ روسی بڑی تیزی سے گلیشیہ میں داخل ہو گئے - اُنھوں نے "لیمبرگ" پر قبضہ کر لیا - جو اب تک روسیوں سے واپس نہیں لیا گیا ہے اور روسی فوجیں کراکو کی دیواروں کے نیچے جا پہنچیں - روسیوں نے کوہستان کارپےتھینس کے دروں کو بھی پار کر لیا ہے اور وہ ہنگری کے میدان میں داخل ہو گئے ہیں - مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کامیابیاں مستقل اور قطعی نہیں ہیں - یعنی روسیوں نے پرشےمسل جو گلیشیہ کے وسط میں ایک بڑا قلعہ ہے ابھی فتح نہیں کیا ہے - اور کراکو پر بھی اپنے حملے میں قائم نہیں رہے ہیں -

---

سرویہ میں جنگ

سرویہ میں جنگ کے ابتدائی واقعات کا حال ہمکو معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ آسٹریا کی فوج نے یورش کی اور وہ سخت نقصان کے ساتھ دریائے ڈرینا کے پار بھگا دی گئی اور اسی کامیابی کے سلسلہ میں سرویہ کی فوج نے خود بوسینیا پر پیش کر کے اُس کے صدر مقام سراجیوو پر حملہ کیا۔ آسٹریا کی فوج کو وقت مل گیا تھا اور ایک کافی جمعیت فراہم ہو گئی تھی اور اُس نے سرویہ کی فوج کو مار بھگایا۔ اور بلگریڈ میں داخل ہو کر سرویہ کے وسط میں جا پہنچی۔ یہاں سرویہ والوں نے آسٹریا کی فوج کو پھر شکست دیدی۔ اب سرویہ کی سپاہ نہایت تجربہ کار ہو گئی ہے اور اپنے ملک سے اچھی طرح واقف ہے۔ اور آسٹریا والوں کو یہ بات تجربہ سے معلوم ہو گئی جبکہ سرویہ والوں نے بار دگر اُن کو نہایت سخت شکست دے کر اُن کا تعاقب کیا اور اُن کو سرویہ اور بلگریڈ کے باہر نکال دیا۔

ٹرکی سے جنگ

ٹرکی کے ساتھ بہت سے میدانوں میں جنگ ہو رہی ہے لیکن اُس کا کچھ نتیجہ نہیں ہوا ہے۔ مصر پر حملے کا بہت چرچا بھی زبانوں پر تھا اور جرمنوں کو امید بھی بہت تھی لیکن وہ حملہ ابتک واقعہ نہیں ہوا۔ ٹرکی فوجوں کے انتظام۔ سامان اور مالی حالت کو دیکھتے ہوئے یہ بات مشتبہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسا حملہ ہو۔ اور جو بات فی الواقع پیش آئی ہے وہ یہ ہی کہ انگریزوں نے بصرہ پر ایک فوجی مہم بھیجی ہی اور یہ ضروری مرکز اب

برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ ترکوں نے بھی نئے مقصد و مدعا خلاف عقل ایران پر ایک چھاپہ مارا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے (اگر ثبوت کی حاجت ہو) کہ ٹرکی اسلامی دنیا کا قایم مقام نہیں ہے۔ سب سے زیادہ سخت لڑائی کوہ قاف کے جنوب میں ایشیائے کوچک کے درمیان ہوئی ہے جہاں روسیوں نے ترکی علاقہ پر حملہ کیا ہے۔ یہاں ترکوں کی سب سے بہتر اور سب سے آراستہ سپاہ معلوم ہوتی ہے اور اُس کا سپہ سالار جرمن جنرل لیمان وان ساندرس ہے۔ مگر ترکی سپاہ کو ہزیمت ہوئی ہے۔ روسی آہستہ آہستہ آگے بڑھ سکیں گے کیونکہ ملک کوہستانی ہے اور کثرت سے برف ہے لیکن ایسا قیاس کیا جاتا ہے کہ موسم بہار تک روسیوں کا ارض روم پر قبضہ ہو جائے گا[۵]

مشرق بعید

سنگٹاؤ پر قبضہ کرنا اصل میں ایک ایسی بنیاد تھی جس پر جرمنی اپنی چینی سلطنت کی تعمیر کرنا چاہتا تھا اور اسی طرح مشرق قریب میں بغداد ریلوے سے جرمنی کو ایک بنیاد سلطنت قایم کرنے کی ہاتھ آگئی تھی جرمنی نے سنگٹاؤ میں اسی طرح عمارتیں بنائیں جس طرح آدمی بناتے ہیں کیونکہ آدمی ہمیشہ قایم کرنے کے لیے بناتے ہیں چنانچہ سنگٹاؤ اپنے پہلے شباب میں مشرق بعید کے نہایت ہی مستحکم اور خوبصورت شاندار شہروں میں سے ایک شہر تھا۔ اگر جرمنی ویسا ہی عاقل ہوتا جیسا وہ احمق ہے تو اُسے چاہیے تھا کہ جنگ کے چھڑتے ہی وہ سنگٹاؤ چین کے حوالے کر دیتا اور اس

---

[۵] یہ قیاس صحیح نکلا۔ یعنی فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں روس نے ارض روم ترکوں سے چھین لیا ہے (مترجم)

کا یہ نتیجہ ہوتا کہ ادہر تو چین شکر گزار ہوتا اور اُدھر سنگٹاؤ میں جاپانیوں کے قدم نہ آتے۔ ایک زمانہ ہوا ہے کہ جرمنی اپنی مخالفت کا جاپان سے اظہار کر چکا ہے۔ اور اسی وجہ سے جنگ کے چھڑتے ہی جاپانیوں نے بڑی سریع ذکاوت سے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے سنگٹاؤ پر حملہ کر دیا۔ جاپانیوں نے اپنی حکمتِ عملی کا یہ اعلان بھی کر دیا کہ جنگ ختم ہو جانے پر وہ سنگٹاؤ چین کو واپس کر دیں گے۔ سنگٹاؤ کا محاصرہ تو زیادہ عرصہ تک ہی رہا اور نہ وہ یاد ہی رکھنے کے قابل ہے۔ اگرچہ وہ ایک محفوظ اور مستحکم مقام تھا لیکن وہ اُن جاپانیوں کا جو روس کے مقابلے میں پورٹ آرتھر جیسے مقام کو فتح کر چکے تھے زیادہ عرصہ تک مقابلہ نہ کر سکا۔ محاصرہ کی کارروائیوں میں برطانیہ کی سپاہ نے بھی مدد دی۔ شہر میں اب جاپانیوں کا تسلط ہے اور جرمنی باشندے جاپان میں اسیرانِ جنگ ہیں۔ چنانچہ جرمنی کے خواب اور دو کروڑ اشرفیوں کے مصارف کا خاتمہ ہو گیا۔

بحرِ اعظم پاسفک

بحرِ اعظم پاسفک میں جرمنی کے مقبوضات میں سب سے زیادہ خاص جزیرہ ساموا تھا۔ کچھ اور بھی چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے جہاں بے تار کی تار برقی کے اسٹیشن تھے اور ان سب مقامات پر آسٹریلیا کے انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے۔

مشرقی اور جنوبی افریقہ

مشرقی افریقہ بڑی مضبوطی کے ساتھ جرمنی فوجوں کے قبضہ میں تھا اور وہاں برطانیہ کو ہزیمت ہوئی ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی فوج نے ملکہ ٹانگا کے بندرگاہ پر حملہ کیا۔ اس مقام کی بڑی قوت کے ساتھ حفاظت کی گئی اور حملہ آور پسپا کر دیئے گئے اور ان کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ یہ خوش قسمتی کی بات تھی کہ برٹش مشرقی افریقہ پر جرمنوں نے حملہ نہ کیا۔ کیونکہ ان میں یوگینڈا ریلوے پر حملہ کرنے اور بہت تکلیف دینے کی طاقت بہت کافی معلوم ہوتی تھی۔ مگر اب برطانیہ کی امدادی فوج وہاں پہنچ گئی ہے اور جرمنوں کے حملہ آور ہونے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

افریقہ کے جنوب و مغرب میں ڈچ باغیوں کے چند گروہوں سے ملک جرمن والے جنگ کر رہے ہیں اور انگریزی سپاہ جو اس نوآبادی میں متعین ہے اُن کو منتشر کرنے میں مصروف ہے۔ چونکہ اب سپاہ یہ کام کر چکی ہے وہ جرمنی افواج کے مقابلہ میں میدان میں آنے کے قابل ہو جائے گی۔ سوا کوپمنڈ متحدہ گورنمنٹ کے قبضہ میں آچکا ہے اور یہ مقام خاص بندرگاہ ہے۔

افریقہ میں جنگ

بعد کے حالات

یہاں تک ہم نے یکم فروری ۱۹۱۵ء کو لکھا تھا۔ لیکن اب فروری ۱۹۱۵ء کے بعد تین ماہ اور گزر چکے ہیں۔ لہٰذا ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ ان تین ماہ کے حالات بھی یعنی اپریل ۱۹۱۵ء تک اختصار کے ساتھ لکھدیے جائیں۔

بحری حالات

جرمنی کی اس کارروائی سے ذرا حالت بدل گئی ہے کہ خود ملک کے اندر جسقدر خوراک کا سامان موجود تھا سب پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور وہ سب فوجی انتظام کے حوالے ہو گیا ہے۔ ابتک برطانیہ نے اجازت دے رکھی تھی کہ خوراک کے متعلق اور نیز بعض دوسری چیزیں مثلاً روئی غیر جانبدار ممالک کے جہاز جرمنی کو پہنچا ئیں۔ لیکن سامانِ حرب کی۔ جیسے تانبا یا پھٹنے اور اُڑ جانے والے مسالے ہوتے ہیں جرمنی کو لیجانے کی ممانعت تھی۔ اب گورنمنٹ برطانیہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ غلّہ بھی سامانِ حرب میں شامل ہے چنانچہ جرمنی سے سب قسم کی تجارت کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اور غیر جانبدار ممالک کے جہازوں کی جو ایسی اشیا جرمنی کو لیجانے کا ارادہ کرتے ہیں روک کر دی ہے۔ اس کا جواب جرمنی نے یہ دیا ہے کہ برطانیہ کا راستہ بند کر دینے کا اعلان کر دیا ہے اور جہاں تک برطانیہ کے جہازوں سے تعلق ہے آمد و رفت روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جرمنی کے پاس برطانیہ کے جہاز روکنے کا اور تو کوئی ذریعہ ہی نہیں صرف اپنی آبدوز کشتیوں سے وہ جہازوں پر حملے کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے

بہت سے برطانیہ کے جہاز غرق کر دیئے۔ اور بعض حالتوں میں تو جہاز والوں کو اتنا وقت بھی نہ دیا کہ وہ اپنی کشتیاں اُتار لیتے اور جانیں بچا لیتے چنانچہ لوسی ٹے نیا جہاز کے جب تارپیڈو مارا گیا تو ایک ہزار چار سو سے زیادہ آدمی جہاز کے ساتھ غرق ہو گئے۔ مگر تمام حالات کو دیکھتے ہوئے جرمنی کو اپنی امیدوں کے موافق کامیابی نہوئی۔ اُن کی کئی آبدوز کشتیاں برباد کر دی گئیں اور بہت دفعہ اپنے ہنر اور بہادری سے تجارتی جہاز آبدوز کشتیوں کے حملے سے بچکر سلامت نکل گئے۔ اور برطانیہ کی تجارت پر کوئی محسوس اثر نہ ہوا۔ لیکن جہاں تک ہم اندازہ کر سکتے ہیں جرمنی پر اُن کا راستہ روکے جانے سے بہت اثر ہوا ہے اور تانبے اور دوسرے سامانِ حرب کی آمد جرمنی میں قطعی روک دی گئی ہے۔

بحرِ روم میں درۂ دانیال کے کھولنے کی متحدین نے نہایت سخت کوشش کی ہے۔ درۂ دانیال کا راستہ سب سے تنگ مقام پر ایک میل سے کم عریض ہے اور پھر اُس پر مصیبت یہ ہے کہ زمانۂ حال کے توپ خانہ اور بہتی ہوئی سُرنگوں سے وہ محفوظ کیا گیا ہے۔ انھیں توپوں اور سُرنگوں کی بدولت متحدین کے تین جنگی جہاز برباد ہو چکے ہیں۔ اور ترکوں کے قلعے ابھی تک خاموش نہ کیئے جا سکے۔ غالباً یہ مہم ایسی مخدوش ہے کہ ویسی خطرناک مہم سے کبھی کسی بیڑے کو مقابلہ کرنا نہ پڑا ہو گا۔ اور اس مہم میں خراب موسم بھی حایل اور سدِّ راہ ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہم کو معقول امید ہے کہ متحدین کا استقلال غالب آئے گا اور کوئین ایلزبتھ" جو برطانیہ کا سب سے بڑا جنگی جہاز ہے برطانیہ کے جھنڈے کو درۂ دانیال کے پار لیجائے گا[۱]۔

[۱] کوئین ایلزبتھ برطانیہ کا سب سے بڑا ڈریڈ ناٹ ہے جس پر حیرت انگیز بڑے دہانے کی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ لیکن اب کئی ماہ سے اس جہاز کا انگریزی اخباروں میں کہیں نام نہیں آتا ہے۔ ۱۲

درۂ دانیال

بحری فوج کو مدد دینے کے لئے برّی فوج بھی درہ دانیال کے دونوں طرف خشکی پر اُتاری گئی ہے یعنی فرانسیسی ایشیائی سمت میں اور برطانوی یوروپ کی سمت میں۔ اور دونوں کے سامنے جد وجہد کا معرکہ درپیش ہے۔ لیکن اب تک جو خبریں موصول ہوئی ہیں ہمّت افزا ہیں۔

برّی حالات

(مغربی میدان جنگ)

اب تک فریقین کی طولانی مورچہ بندیوں کے شکست ہونے کی نہ تو شمال ہی میں کوئی علامت ہے اور نہ جنوب ہی میں کوئی صورت نظر آتی ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں ہے کہ فرانسیسی ایلسیس میں آگے بڑھے ہیں آذنہ واسیجر کا بڑا حصہ اُن کے قبضہ میں ہے اور برطانیہ کی فوج نے ایک قطعی اور قیمتی فتح نیوچپے پل میں جہاں اگرچہ بارہ ہزار سپاہ کام آئی حاصل کی ہے اور ہماری فوج نے یہ بات سیکھ لی ہے کہ آگے بڑھنا ممکن ہے اور اس کو کس طرح تیار ہونا اور آگے بڑھنا چاہیے۔ خاص بات یہ ہے کہ توپ خانے نہایت کثرت سے ہونے کی ضرورت ہے اور موقع پر گولہ بارود اتنا ہونا چاہیئے کہ ختم نہ ہو۔ چنانچہ گولے بارود ہی کا جمع کرنا ایسا کام ہے جس نے ہمکو بلاشبہ منتظر رکھا ہے۔

مشرقی میدانِ جنگ

پولینڈ میں جرمنی کی افواج نے وارسا پہنچنے کی تیسری کوشش کی - یہ فوجیں شمال سے چلیں اور خاص جنگ پرسنس میں واقع ہوئی - یہ شہر جرمنوں نے فتح کر لیا - لیکن روسیوں نے پھر اُن سے چھین لیا - جنگ بہت طولانی اور خونریز ہوئی - لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ جرمنوں کو تیسری دفعہ بھی ناکامی ہوئی اور ابھی تک وارسا محفوظ ہے -

گیلیشیہ میں آخر کار روسیوں نے پرشیمسل کو فتح کر لیا - قلعہ میں سامانِ خوراک باقی نہ رہا تھا اور جب اطاعت قبول کی گئی تو ایک لاکھ آسٹریا کی فوج نے ہتھیار رکھ دئے - اور یہ سب سے بڑی تنہا فتح ہے جو متحدین کو حاصل ہوئی ہے -

پرشیمسل کو کمک پہنچانے کی جرمنی اور آسٹریا کی فوجوں نے کئی دفعہ کوشش کی - تین بڑی فوجیں کوہستانِ کارپے تھینس عبور کر کے آئیں اور روسیوں کے داہنے یا بائیں بازو کے آس پاس سے گزر جانے کی سعی کی - یہ سب فوجیں بھگا دی گئیں - اور تمام کوہستان کارپے تھینس میں سوائے اسوک کے درے کے روسی فوجیں آج مظفر و منصور ہیں - تمام ملک جنگلی ہے اور بن اور یخ اور برف سے ڈھکا ہوا ہے - [1]

ٹرکی سے جنگ

آخر کار ترکوں کا مصر پر حملہ واقع ہوا - لیکن وہ ادھورا تھا اور ترک آسانی سے

---

[1] یہ حال اپریل ۱۹۱۵ء تک کا ہے - لیکن دسمبر ۱۹۱۵ء تک جیسی تبدیلی ہو چکی ہے اُس کا نوٹ دیا جا چکا ہے - مترجم ۱۲

پسپا کر دیئے گئے نہر سویز کے کنارے انگریزی فوجیں صف بستہ تھیں اور ترکوں نے صرف نہر عبور کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

باب ۹ نہم

جنگ میں فریقین کا طرزِ عمل

جرمنی

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وحشی قومیں جنگ میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتی ہیں۔ نہ وہ کسی کو امان دیتی ہیں نہ کوئی چیز باقی چھوڑتی ہیں۔ وہ مرد۔ عورت اور بچے کو مار ڈالتی ہیں اور ہر شے لوٹ لیتی اور برباد کر دیتی ہیں۔ ایسا کرنا وہ کوئی برائی نہیں خیال کرتیں۔ اُن کو تو صرف فتح کا خیال ہوتا ہے۔ لیکن قومیں جسقدر شائستگی اور تہذیب میں ترقی کرتی جاتی ہیں وہ جنگ کی کارروائی میں قواعد کی پابندی کرنا شروع کرتی ہیں۔ اس کی کچھ وجہ تو یہ ہے کہ رحمدلی کا اُن پر اثر ہوتا ہے اور کچھ اُن کے ذاتی اغراض بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر ہر ایک جنگ میں ویسی سختی کی جائے جیسی ممکن ہو سکتی ہے تو اُس کا بالکل معاوضہ نہیں ملتا اور کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ مغلوب کبھی غالب ہو جائے تو پھر وہ انتقام بھی اُسی نسبت سے سخت لیتا ہے جیسا اُس کے ساتھ سلوک ہو چکا تھا۔ چنانچہ انھیں وجوہ سے شائستہ قوموں کی جنگ وحشی لوگوں کی لڑائی کے مقابلے میں زیادہ رحیمانہ ہو گئی ہے۔ اور اس کی مثال خود جرمنوں کے زمانہ میں کہ اُن کے درمیان نائٹوں کا فرقہ پیدا ہوا تھا دیکھی گئی تھی۔ اس گروہ نے یورپ کے زمانہائے تاریک میں ناتوانوں کی حفاظت میں بہت کچھ کام کیا۔ لیکن بدنصیبی سے

جرمنی کی جنگ سی سالہ کے دوران میں یہ فرقہ معدوم ہو گیا کیونکہ اس جنگ سے بڑھ کر ظالمانہ جنگ جرمنی میں کبھی نہ ہوئی۔

مگر اس کے بعد دنیا کی قوت تمیز نیک و بد میں پھر بیداری پیدا ہوئی اور زمانۂ حال حال کی دنیا کی قوموں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ جنگ کے مظالم کی آخر کچھ حد مقرر ہونی چاہیے۔ یہ بات دیکھنا کہ اس معاملے میں آدمی کہاں تک اتفاق کریں اور قواعد بنائیں گے بڑے پُرخیال مصنفوں کا کام تھا۔ ان مصنفوں میں سے سب سے پہلا ہالینڈ کا رہنے والا تھا جس نے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا نام "پبلک رائٹ ان پیس اینڈ وار" تھا (صلح اور جنگ کے دوران میں جمہور کے کیا حقوق ہیں) اس مصنف نے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ نہ لکھا۔ لیکن اُس نے ایک بین الاقوامی قانون کے خیال کا آغاز کر کے ابتدا ضرور کر دی۔ اُسی مصنف کے زمانے سے اس خیال کا نشو و نما ہوتا رہا اور اب اس موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ہمکو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کتابوں میں صرف عام رائے لکھی ہے کہ لوگوں کو کیا کرنا چاہیے اُن میں یہ تحریر نہیں ہے کہ ان ان باتوں پر عمل کرنے کے متعلق اتفاق کر لیا گیا ہے یا اُن پر عمل کرنے کے لیے آدمی کسی طریقے سے مجبور کیے جا سکتے ہیں۔

مگر ایک خاص حد تک باہمی معاہدے ہیں۔ اور ان معاہدوں میں سب سے زیادہ خاص اور مشہور معاہدہ وہ ہے جو ۱۹۰۷ء میں "ہیگ کانفرنس" میں کیا گیا ہے۔ اس کانفرنس میں سب طاقتوں کی طرف سے وکیل آئے تھے اور بہت باتوں کے متعلق جنگ کی بابت اس کانفرنس میں قواعد مرتب کیے گئے اور اُن کو سب نے قبول کر لیا۔ لیکن ان قواعد میں سے شاید ہی کوئی ایسا قاعدہ ہو جسے جرمنی نے موجودہ جنگ کے دوران میں شکست نہ کیا ہو۔

ان قواعد میں سے بعض قاعدے تو اُن لوگوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں

جو لڑائی میں شریک ہوتے ہیں۔ اور باقی ان لوگوں کے حقوق سے متعلق ہیں جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ جہاں تک جنگ کرنے والوں کے حقوق سے تعلق ہے بعض باتوں کی بابت صحیح خبر ملنے تک انتظار کرنا چاہیے اور پھر یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ متحدہ افواج کے ساتھ جرمنی نے کہاں تک بدعہدی کی ہے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ جرمنی نے خندقوں کی جنگ میں بڑی کامیابی کے ساتھ زہریلی گاس جو ایک قسم کا دھواں ہے استعمال کی ہے اور جنوبی افریقہ میں کنوؤں کے پانی میں زہر آمیز کر دیا ہے اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ہیگ کی کانفرنس میں سب طاقتوں نے مان لیا تھا کہ جنگ میں ان سے کام نہ لیا جائیگا۔ اس کے سوا برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر اسکوئتھ نے باضابطہ شکایت کی ہے کہ برطانیہ کے قیدیوں کے ساتھ جرمنی میں بہت برا برتاؤ کیا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ جرمنی کے طرز جنگ اور طریقۂ عمل پر یہ سب سے زیادہ سیاہ دھبہ ہے۔

جرمنی کا مخالفانہ طرز عمل سپاہیوں کے بارہ

اب جرمنی کے طرز عمل کو ان لوگوں کے ساتھ دیکھنا چاہیے جو جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار تیرتی ہوئی سرنگیں جرمنی نے سمندروں میں ڈال دی ہیں جن سے برطانیہ اور دوسری قوموں کے تجارتی جہاز ڈوب گئے۔ ان سرنگوں کے استعمال کی بھی ہیگ کانفرنس میں ممانعت ہو گئی تھی۔ مگر جرمنی نے ایسی سرنگیں صرف بحیرہ شمالی ہی میں نہیں بلکہ آئرلینڈ کے ساحل کے سامنے دور تک بحر اعظم اٹلانٹک میں ڈال دی ہیں۔ اور جرمنوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ ابھی تک انہیں غیر جانبدار قوموں کے جہاز غرق ہوئے ہیں جو سویڈن کی طرح چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور امریکا کا کوئی جہاز نہیں ڈوبا ہے۔

جرمنی کا بحری طرز عمل

غیر محفوظ شہروں پر گولہ باری کی ہمیشہ اور ہیگ کانفرنس سے بہت پہلے سے ممانعت تھی۔ جرمنوں نے اس قاعدے کو بھی توڑ ڈالا اور انھوں نے اپنے

جہازوں سے صرف ساحلی مقامات ہی پر گولہ باری نہ کی بلکہ قصبات اور مواضعات پر بھی جو ساحل سے بہت دور تھے اپنے ہوائی طیاروں سے گولے برسائے۔ اور اس طرح سے جرمنوں نے بہت سے بچوں اور عورتوں کو جو بستروں پر سوتے تھے ہلاک کر دیا۔ یہ کارروائیاں شرمناک ہی نہیں بلکہ ذلیل اور احمقانہ ہیں۔ یہ کارروائیاں انگلستان کو ڈرانے کے لیے کی جاتی ہیں۔ لیکن ڈرانے کے خلاف انگلستان میں قومی غصہ کو یہ باتیں گہرا اور قومی عزم کو اور بھی زیادہ مضبوط کر رہی ہیں۔

لیکن جب اُس طرزِ عمل کو دیکھئے جو جرمنوں سے بلجیم میں ظہور پذیر ہوا ہے تو متذکرہ بالا کارروائیاں نسبتاً کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ جب جرمنی کی فوجیں بلجیم میں سے گزریں تو انھوں نے سوائے جلتی ہوئی بستیوں اور مردوں۔ عورتوں اور بچوں کی لاشوں کے اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑا۔ ایسے باشندے جو بھاگ سکتے تھے ہالینڈ یا انگلینڈ کو بھاگ گئے اور وہاں یہ لوگ انگلستانیوں اور ڈچ لوگوں کی خیرات پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور اگر ہم اپنا وقت یہ سمجھنے میں کہ وہاں واقعی کیا پیش آیا صرف کریں تو کچھ بیجا نہیں ہے۔

اس بات پر ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے کہ اُس ملک کی جس پر یورش کی جائے ایسی رعایا جو سپاہ سے تعلق نہیں رکھتی اور غیر جنگجو ہے اگر اُس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے تو حملہ آور کو اُس کے حال پر چھوڑ دے اور حملہ آور کو نہ ستائے۔ لیکن اگر غیر جنگجو رعایا میں سے کوئی شخص حملہ آور پر حملہ کرے یا حملہ کرنے میں مدد دے تو وہ بلا رحم گولی سے مار دیا جائے۔ اور اگر ایسے حملے میں تمام بستی شریک ہو تو وہ بستی پھونک دی جائے۔ یہاں تک تو قرینِ انصاف ہے۔ لیکن جرمنوں نے ان قواعد کا عملدرآمد بلجیم میں بیحد اور ایسے ظلم کے ساتھ کیا کہ ویسا کبھی سنا بھی نہ تھا۔ ہم خیال کر سکتے ہیں اور بہت گمان غالب بھی ہو سکتا ہے کہ جرمنوں پر بلجیم کے کسی غیر جنگجو باشندہ نے گولی چلا دی ہو۔ لیکن

جرمنوں نے فوراً ہی اس کا یہ جواب دیا کہ شہر کو جلا یا اور باشندے قتل کر دئے۔ ایسے جلائے ہوئے شہروں میں سے ایک لُووین شہر ہے جہاں بلجیم کی مشہور یونی ورسٹی تھی۔ اور یہ شہر اپنے علم وفضل کے لیے صدیوں سے تاریخ علوم میں یادگار چلا آتا تھا۔ اور اب وہ خاکستر کا ایک ڈھیر ہے۔ اور دنیا کو ایسا تعجب اور خوف ایک زمانہ دراز سے نہوا تھا جیسا اُس صبح کو ہوا جبکہ یہ معلوم ہوا کہ لووین غارت و برباد کر دیا گیا۔

کیا جرمنی کو بھی اسکی اصلیت کا احساس ہوا؟ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ واقعی احساس ہوا۔ شاید ہوا ہو۔ کیونکہ اُس کے ظریف اخبار بلجیم کی بابت کوئی مذاق اُڑاتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔ یہ اخبار ریمس کے گرجا کی تباہی کے متعلق مضحکہ کرنے سے بہت خوش نظر آتے ہیں۔ یہ عمارت یورپ کی اعلیٰ عمارتوں میں سے نہایت انمول تھی اور اس کو جرمنی کے گولوں نے خاک سیاہ کر دیا۔ اس کی بربادی سے کوئی حربی مقصد پورا نہ ہوا اور اس کو گولوں کی مار سے بچا دینا آسان تھا۔

جرمنوں کی ہمیشہ سے پہچان یہ ہے کہ وہ کام کو پورا کرکے چھوڑتے ہیں اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بلجیم میں ہو کر جانے میں جرمنوں نے دشمنوں کو اپنے پیچھے چھوڑنا نہ چاہا اور اُن کا یہی عزم تھا کہ بلجیم کے باشندوں کو اسقدر خائف کر دیں کہ وہ ہاتھ پاؤں نہ ہلا سکیں۔ لیکن جب انتقام کا دن آئے گا تو یہ خونخواری جرمنوں کو مزہ بھی ایسا چکھائے گی کہ یاد ہی کریں گے۔

جرمنوں کے صفاتِ شجاعت سے کہ وہ کہیں پر خائف نہیں ہوتے کوئی انکار نہ کرے گا۔ یعنی اُن کے جہازوں نے آخر تک جنگ کی اور اُن کے ملّاح جنگ کرتے ہوئے غرق ہوئے۔ اُن کے رجمنٹ بے خوف و ہراس یقینی موت کے منہ میں گھس گئے۔ مگر دوسرے اسلحہ جن پر اُنھوں نے بھروسا کیا اُن کی شان کے

شہر کی بربادی

جرمنی کے ظریف اخبار

جرمن اور عورتوں کا ظلم نہیں کرتے

خلاف تھے۔ دنیا کے ہر حصہ میں اُنھوں نے جبر۔ رشوت اور سازش سے کام لیکر جنگ کی ہے۔ چونکہ جرمنی بہت سی باتوں میں سب سے آگے ہے۔ رشوت۔ جبر اور سازش میں بھی اُس نے اپنے تئیں سب سے آگے ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ جب وقت آئے گا تو ٹرکی کو بتانا ہوگا کہ وہ اس جنگ میں کس طرح سے شامل کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی میں بھی ایک لمحہ کے واسطے فریب اُسی طرح کامیاب ہوگیا جس طرح ایک لمحہ کے واسطے جرمنی میں کامیاب ہوا تھا جبکہ جرمنوں نے اپنے اخباروں میں حسب ذیل قسم کے مضامین پڑھے مثلاً "ہندوستان کے مسلمانوں نے بیگم بھوپال کو قسطنطنیہ بھیجا ہے کہ خلیفہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سچّے خیالات سے آگاہ کیا جائے اور خلیفہ کے مشورے اور امداد کی جستجو کی جائے۔ اور جب انگریزوں نے اس سفارت کا حال سُنا تو بیگم صاحبہ کے بیٹے کو فوراً اُسی طرح جہاز میں سوار کر دیا جس طرح بدنصیب آغا خاں کو چند ہفتے قبل باوجود اُس کے زبانی خونریز مقابلے کے سوار کر دیا تھا" (یہ اقتباس شہر کلون کے اخبار "کول نیچی زی ٹنگ" سے لیا گیا ہے)

اور غالباً اب ناظرین کی سمجھ میں "پنچ بہادر" کا یہ ظریفانہ فقرہ بھی آجائے گا کہ اُس نے لکھا تھا "جب جرمنوں نے اینٹ ورپ فتح کیا تو اینٹ ورپ کے باغ کے ہاتھیوں کو اس لئے زندہ رکھا کہ اُنھیں ہندوستانی فوج کی صفوں میں کھدیڑ کر پہنچا دیں اور ان ہاتھیوں کو دیکھکر ہندوستانی سپاہیوں کو اپنا وطن یاد ہونے لگے اور وہ مغموم ہوجائیں"

برطانیہ اعظم

خودستائی مردوں اور قوموں دونوں کے لیئے ایک نفرت خیز بات ہے۔ لیکن اس موقع پر ایک ایسے شخص کے لیے جو اپنے ملک کے سپاہیوں کا حال حوالۂ قلم کر رہا ہو اور وہ خود جنگ میں شریک نہ ہو خودستائی جیسی چیز ناگزیر ہے وہ ان سپاہیوں کے ساتھ انصاف کرنے میں ایک فرض کا پابند ہے۔ اور اسی لیے انصاف کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں برطانیہ کو اپنے طرز عمل کے متعلق کیا دعویٰ ہے کوئی پس وپیش نہ ہونا چاہیے۔ (مؤرخ کا فرض)

برطانیہ کے سپاہیوں کی بہادری کے متعلق کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور کتاب کے ہر صفحہ سے وہ صاف روشن ہے۔ مونز سے مراجعت اور یپرس کی حفاظت ایسے دو کام ہیں کہ صفحۂ تاریخ میں ہمیشہ اس لیے یادگار رہیں گے کہ برطانیہ کی فوج تعداد میں کم تھی اور جرمن تعداد میں بہت زیادہ تھے اور اس تعداد کی زیادتی پر جرمنوں کی بہادری ایک اور طرہ تھی۔ فرداً فرداً جو اعلیٰ شجاعت کی مثالیں دکھائی گئی ہیں وہ بھی بہت کثرت سے ہیں حتیٰ کہ تمغہ وکٹوریہ کراس جو ایک شخص کو دیا جاتا ہے بہادروں کی جماعت میں وہ ایک ناانصافانہ امتیاز معلوم ہوتا ہے۔ (برطانیہ کے سپاہیوں کی شجاعت)

اب ہم بجائے شجاعت کے اپنے سپاہیوں کی خوش مزاجی۔ غیر خود غرضی اور اُن بہت سے رحم دلی کے کاموں کا ذکر کریں گے جو اُنھوں نے اپنے آپس میں اور دشمن کے ساتھ کیئے۔ سب بھری بڑی لڑائیوں میں برطانیہ کے سپاہیوں نے اپنی کشتیاں اس غرض سے پانی میں اُتاری ہیں کہ بقیہ جرمنی کے سپاہی جو زندہ (برطانیہ کے سپاہیوں کی رحم دلی)

بچے تھے ان کشتیوں میں سوار ہو جائیں اور اُن کی جانیں تلف نہ ہوں - اور یہ کشتیاں بعض اوقات ایسی حالت میں اُتاری گئی ہیں کہ جرمنوں کی طرف سے آگ کا مینہ برس رہا تھا -

سر ایڈورڈ گرے نے بتایا ہے کہ برطانیہ کے ہاتھوں سے جرمنی کے ملّاحوں کی ایک ہزار سے اوپر جانیں بچیں - لیکن ایک مثال بھی ایسی تحریر میں نہیں ملتی کہ جرمنوں نے ایک برطانیہ کا ملّاح بچایا ہو -

سپاہی کی زندگی میں کسی کو صرف ستانا ہی اغوائے نفس میں شامل نہیں ہے بلکہ اور بھی طرح طرح کے اغوا اور لالچ پیش آجایا کرتے ہیں - اور یہ بات لارڈ کچنر نے پہلے ہی دیکھ لی تھی جبکہ اُس نے انگریزی سپاہ فرانس کو روانہ کی تھی - اور یہاں پر ہم لارڈ کچنر کے الوداعی نصیحت کے ایڈریس سے کچھ نقل کرتے ہیں -

"اے بہادرو - تم کو باہر جانے کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنے بادشاہ کے سپاہیوں کی طرح اپنے فرانسیسی رفیقوں کی اپنے مشترک دشمن کی یورش کے مقابلے میں جا کر مدد کرو - یاد رکھو کہ تمھارے سپرد ایسی اہم خدمت کی گئی ہے کہ اس میں تمھاری شجاعت - تمھارے عزم و ہمت اور تمھارے صبر و تحمل کی ضرورت ہو - پس برطانیہ کی سپاہ کی آبرو فرداً فرداً تمھارے کاموں پر منحصر ہے - تمھارا صرف یہی فرض نہو گا کہ تم قواعد کی پابندی کی مثال دکھاؤ بلکہ اُن لوگوں کے ساتھ جن کی مدد کو تم جارہے ہو تمکو رشتۂ دوستی قایم رکھنا ہے - زیادہ تر تم کو اُسی سرزمین پر جنگ کرنی ہوگی جو تمھارے رفیقوں کی ہے - پس تم برطانیہ کی اس سے زیادہ بہتر خدمت اور کسی طریقہ سے نہیں کر سکتے ہو - ہر حال میں اے جواں مردو - خلیق اور مہربان رہیو اور سوچ سمجھکر کام کیجیو - کوئی ایسا فعل تم سے سرزد نہو جس سے لوگوں کے مال و اسباب کے تلف ہونے کا احتمال ہو - اور لوٹ اور غارت گری کو ایک ذلیل کام سمجھیو -

"یقینی ہے کہ تمھارا خیر مقدم کیا جاوے گا اور تم پر اعتماد کیا جائیگا - پس اس خیر مقدم اور اس اعتماد کا اپنے تئیں اہل ثابت کر دینا - تم اُس وقت تک اپنے فرائض انجام نہ دیکھو گے

جب تک تم تندرست ہو اور تمھارے حواس صحیح ہوں - پس بہت ہوشیار رہنا کہ خورونوش میں اعتدال سے تجاوز ہو"

برطانیہ سورماؤں کی قدر کرتی ہے

انگریزوں کا دستور ہے کہ اپنے فیاض دشمن کی وہ ہمیشہ تعریف کیا کرتے ہیں - قومی سورماؤں میں سے بعض ایسے سورما ہیں کہ کسی انگریز مورخ نے کبھی اُن کے متعلق کوئی ایسا لفظ نہیں لکھا ہے جو عداوت کا اظہار کرتا ہو - ان سورماؤں میں ایک رابرٹ بروس ہے - دوسری جون آف آرک ہے - تیسرا جارج واشنگٹن ہے - اور یہ تینوں انگریزوں کے ایسے دشمن تھے کہ ایک نے اُن کو اسکاٹ لینڈ سے نکال دیا اور دوسرے نے اُن کو فرانس سے خارج کیا اور تیسرے نے اُن کو امریکہ سے باہر کیا - اور جب جنگ بوئر کے بعد جنرل بوتھا لندن کو آیا تو انگریزوں نے اُسی جوش سے اُس کا استقبال کیا جیسا بہادروں کا ہونا چاہیے - اور اسی دھوم سے جرمنی کے جہاز ایمڈن کے کپتان مولر کا انگریز استقبال کرتے لیکن یہ کپتان مخفی طریقہ سے انگلستان کے ساحل پر اُتار لیا گیا کہ انگلستان کے جمہور جوش کا اظہار نہ کرنے پائیں -

سچا سپاہیانہ جوش

ہم اب ایک سچے سپاہیانہ چلن کی نظیر لکھکر اس باب کو ختم کرتے ہیں - ایسا اتفاق ہوا کہ ایک جرمن انگریزوں اور جرمنوں کی خندقوں کے مابین زمین پر گھایل پڑا ہوا تھا - انگریزی سپاہیوں نے اس مجروح پر اچانک گولیاں چلائیں - انگریزی افسر نے یہ بات دیکھی اور اپنے سپاہیوں کو گولیاں چلانے سے باز رکھا اور اپنی خندقوں سے باہر نکلکر اس مجروح کو بچانے کی غرض سے روانہ ہوا - جرمنوں نے دیکھا تھا کہ اُن کے مجروح زمین پر گولیاں چلائی گئی تھیں اور اُن کو انگریزی افسر کے ارادہ کی طرف سے شبہ ہوا اور اُنھوں نے اس افسر کے گولیاں ماریں - لیکن یہ انگریزی افسر اپنے ارادے میں مستقل رہا اور جاکر مجروح جرمن کو اُٹھا لیا اور جرمنوں کی خندق پر لے گیا - اب جرمنوں کی سمجھ

میں آیا کہ انگریزی افسر کے قتل کا اصل منشا کیا تھا۔ اس مجروح کو پہنچا کر جب انگریزی افسر واپس ہونے لگا تو ایک جرمن افسر اپنی خندق سے جھپٹ کر اُس کے پاس آیا اور اپنا آہنی **صلیب کا تمغہ** جو جرمنوں کو اظہار شجاعت کے انعام میں **قیصر** کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اس انگریزی افسر کے سینہ پر ایک آل پن کے ذریعہ سے اپنے ہاتھ سے آویزاں کر دیا۔ یہ انگریز افسر اپنی خندق کو واپس آیا اور دوسرے روز اُس کا انتقال ہوگیا۔ جس وقت یہ انگریزی افسر آہنی صلیب کا تمغہ پہن کر **جرمن** کے خندقوں کی طرف سے اپنی خندق کی طرف واپس آ رہا تھا تو **جرمن** سپاہی بڑے جوش سے مسرت کے نعرے مار رہے تھے۔ طرفین نے آپس میں پھر جنگ شروع کی لیکن ایک عرصہ کے بعد وہ جنگ پر آمادہ کئے جا سکے۔

جنگ کی بُرائی میں سے اگر کوئی بھلائی پیدا ہوسکتی ہے تو وہ ایسے ہی سچے شجاعت کے کاموں سے پیدا ہوسکتی ہے اور ہم کو یقین ہے کہ **برطانیہ** کے لوگ ہمیشہ کہہ سکیں گے کہ وہ ایسے ہی کام کرنے کے لائق ہیں اور جب دوسروں سے ایسے ہی شریفانہ شجاعت کے افعال سرزد ہوں گے تو وہ اُن کی داد دیں گے۔

باب دہم

برطانیہ اور سلطنت میں جنگ کا زمانہ

جنگ کے طوفان نے ایک آندھی کی طرح **برطانیہ** کے باشندوں کو اچانک آ لیا۔ بہت برسوں سے **جرمنی** کی طرف سے دلوں میں بے چینی کے خیالات

پیدا ہو رہے تھے اور اکثر کہا جاتا تھا کہ **برطانیہ** اور **جرمنی** میں کسی دن جنگ چھڑے گی - لیکن جب یہ جنگ چھڑی تو اُس وقت جنگ کا ایسا احتمال نہ تھا جیسا بہت عرصہ سے ہو رہا تھا - اس سے ایک سال قبل **جنگ بلقان** خیریت سے ختم ہو چکی تھی اور اس وقت **برطانیہ** اور **جرمنی** کے درمیان کوئی متنازعہ فیہ بات جس پر فوراً جنگ ہو جاتی موجود نہ تھی - اور **برطانیہ** کی آزادی پسند وزارت کے اراکین میں **لارڈ مورلے** جیسا وزیر موجود تھا جو امن و صلح کا پورا حامی تھا بہ شرطیکہ یہ صلح اصول کے ساتھ ہوتی - اس کے سوا ایک رُکن وزارت **لارڈ ہیلڈین** بھی تھا جو **جرمنی** کا دوست تھا - اور سب سے زیادہ بات یہ تھی کہ جولائی کا مہینہ **یورپ** میں ایک تعطیل کا مہینہ ہے اور سب ممالک کے لوگ بہت کثرت سے تعطیل منانے کو دوسرے ممالک کی سیر و سیاحت کو باہر گئے ہوئے تھے -

جنگ کا اچانک شروع ہونا

چند ہی روز میں یہ صلح اور امن کا منظر ایسا غائب ہو گیا کہ گویا اُس میں ایک آسمانی گولا آ کر پھٹا اور اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا - اور **دول یورپ** ایسی جنگ میں مصروف اور آلودہ ہو گئیں جس کو سب جانتے تھے کہ تاریخ عالم میں وہ سب سے زیادہ ہولناک اور خونریز ... گی - اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ **برطانیہ** اور **برطانیہ** کی سلطنت نے اس جنگ کا کیسے جوش سے خیر مقدم کیا اور اُس کے مقابلے کو کیا تدبیریں کیں -

مقابلے کی تیاری

سب سے پہلے کرنے کی بات یہ تھی کہ بنک درہم برہم ہو جانے سے بچائے جاتے - عموماً بنکوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اُن میں روزانہ ضروریات کے بقدر روپیہ رکھا جاتا ہے - لیکن اگر ایک دم سے وہ تمام آدمی جو بنکوں میں روپیہ جمع کرتے ہیں اپنا روپیہ مانگ بیٹھیں تو بنک ضرور بند ہو جائیں اور بڑا نقصان بھی ہو اور پریشانی بھی ہو - چنانچہ گورنمنٹ نے ایک التوائی حکم جاری کر دیا جس کا منشا یہ تھا کہ جسقدر لوگ روپیہ طلب کریں اُس کے خاص جزو سے زیادہ بنکوں کو روپیہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے - یہ التوائی حکم دو ماہ

بنکوں کا انتظام

تک جاری رہا۔ اور اس عرصہ میں ہر شخص کو معلوم ہو گیا کہ برطانیہ کے پاس اس نازک وقت کے مقابلہ کرنے کو کافی دولت موجود تھی۔ اور اس جنگ سے تجارت برباد نہ ہو گی۔ اس کے بعد پھر لوگوں کو بنکوں سے روپیہ نکالنے کی کچھ جلدی نہ رہی۔ اور التوائی حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ گورنمنٹ نے دس دس اور بیس بیس شلنگ کے نوٹ جاری کر دیئے کہ عام استعمال کے واسطے لوگوں کو سونا استعمال کرنے کی کم ضرورت پڑے اور اشرفیاں انگلستان کے بنک میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ سونا جمع ہو گیا اور اب بنک میں دس کروڑ پونڈ جمع ہیں۔

اسی کے ساتھ خوراک کے سامان کی طرف خیال کرنا تھا۔ وہ گیہوں جو دنیا میں خرچ ہوتا ہے زیادہ تر سلطنت برطانیہ میں پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کناڈا اور آسٹریلیا وغیرہ میں لیکن پچھلے سالوں میں برطانیہ میں شکر زیادہ تر جرمنی سے آتی ہے جہاں وہ چقندر سے بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس شکر کا آنا بند ہو گیا تھا۔ اس شکر کی جگہ گورنمنٹ نے جزیرہ جاوا کی آئندہ فصل میں تیار ہونے والی کل شکر خرید لی۔ اور برطانیہ کے ایک سال کے استعمال کے واسطے شکر کی طرف سے بے فکری ہو گئی۔

لیکن گیہوں اور شکر برطانیہ میں سمندر سے جہازوں میں آتے ہیں اور یہ ممکن تھا کہ بہت سے جہاز جرمنی اپنے جنگی جہازوں سے پکڑ لیتا۔ اس سے جہازوں کے مالک برباد ہو جاتے اور پھر وہ اپنے جہاز سمندر میں بھیجنے پر راضی نہ ہوتے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے جہازوں کا آدھا بیمہ اپنے ذمہ لے لیا۔ اور تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے معقول منافع دیا۔ اس تجویز میں پوری کامیابی ہوئی۔ اگرچہ بعد کو یہ ثابت ہو گیا کہ جیسا لوگوں کو خطرہ تھا جرمنی سمندر میں ویسا نقصان نہ پہنچا سکا۔

یہ تمام باتیں ایسی سرعت اور ایسی خوبی سے عمل میں آئیں کہ ہر شخص کو گورنمنٹ پر

پورا بھروسہ ہو گیا - اسی کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ دورانِ جنگ میں ایسی تجاویز جن میں رایوں کا اختلاف ہو گا پارلیمنٹ میں پیش نہ کی جایئں گی اسی واسطے آیرلینڈ کی حکومت کا قانون یعنی "ہوم رول بِل" جو پارلیمنٹ سے پاس ہو چکا تھا تا اختتام جنگ نفاذ پذیر نہ ہو گا - یہ قانون ایسا تھا کہ **برطانیہ** والوں میں اس کے متعلق رائے کا سخت اختلاف تھا اور اب بھی ہے اور جس وقت موجودہ **یورپ** کی جنگ چھڑی تھی تو بڑا احتمال تھا کہ **آئرلینڈ** میں خانہ جنگی ہو جائے گی اور بہت قیاس غالب ہی کہ **جرمنی** کو کسیقدر امید تھی کہ یہ خانہ جنگی ہوگی اور **برطانیہ** قطعی اُسی کی طرف متوجہ ہو جائے گی لیکن جو کچھ وقوع میں آیا وہ اس توقع کے بالکل برعکس تھا - یعنی عام خطرے نے سب قوم کو متحد کر دیا -

برطانیہ والوں کا اتحاد

گورنمنٹ کی اس کارروائی سے ہوس آف کامنس کو بڑا اطمینان ہوا اور مخالف فریقوں نے اسے بڑی احسن نگاہ سے دیکھا اور ہر ایک مدد کا وعدہ کر لیا - فریقِ مخالف کا سرگروہ **مسٹر لا** تھا اور اُس نے کہا "انتظامِ جنگ پر نکتہ چینی ضروری اور مناسب ہی لیکن یہ نکتہ چینی اس طریقہ سے ہو کہ گورنمنٹ کو مدد اور کمک پہنچے - گورنمنٹ پریشان نہو" یہ وعدہ وفاداری کے ساتھ پورا کیا گیا - یعنی بعض حالات میں نکتہ چینی کی گئی لیکن اس غرض سے ہرگز نہ کی گئی کہ نقص نکالے جائیں اور کبھی اس طریقہ سے نہ کی گئی کہ دشمن کو مدد پہنچے -

مخالف فریق کا طرزِ عمل

مثال کے طور پر ایک یہ نکتہ چینی لکھی جاتی ہے کہ **جرمنی** کے اُن باشندوں کے متعلق جو **انگلستان** میں رہتے تھے گورنمنٹ پر اعتراض کیا گیا - اور اس بات پر اتفاق کر لیا گیا کہ ایسے **جرمن** جن کی عمر میں حربی خدمات بجا لانے کے قابل ہوں **جرمنی** کو واپس نہ جانے پایئں کہ وہاں پہنچکر جنگ میں شریک ہوں - لیکن اس بات پر اتفاق نہ کیا گیا کہ **انگلستان** میں اُن سب سے وہی برتاؤ کیا جائے جو اسیرانِ جنگ سے کیا جاتا ہے - چنانچہ اس تجویز میں بڑے مصارف ہوتے - اور ہر ایک **جرمن** کے لیے

نکتہ چینی کی ایک مثال

یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قیدی رکھا جائے۔ کیونکہ سب جرمنوں میں نہ تو طاقت ہی ہے اور نہ اُن کی خواہش ہی ہے کہ **برطانیہ** کو نقصان پہنچائیں۔ اس کے خلاف بہت سے جاسوس ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ گورنمنٹ کو خود اُن کے دلوں کا حال معلوم ہو گیا ہے اور مخالف فریق نے ارکین گورنمنٹ کو کافی سخت نہیں خیال کیا ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بہت سے جرمن قید کر لئے گئے ہیں اور کسی جرمن کو کاروبار کی اجازت نہیں ہے۔ دو ایک دفعہ **لنڈن** کے زیادہ غریب اضلاع میں جرمنوں کے خلاف ہنگامے برپا ہوئے لیکن خوش قسمتی سے یہ فساد زیادہ پھیلنے نہ پائے اور **جرمن** خواہ وہ قیدی ہوں یا آزاد جمہور کے تشدد سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔

اس بات پر بھی اتفاق ہوگیا ہے کہ تمامی خبریں پہلے محکمۂ احتساب میں بھیجی جائیں اور اخبار ایسی خبریں شایع نہ کرنے پائیں جو محکمۂ احتساب سے نہ گزر چکی ہوں۔ یہ بڑی نفس کُشی کا کام ہے۔ اور اس کا اخبار کے مالکوں اور ناظرینِ اخبار دونوں سے تعلق ہے کیونکہ انگریز احتساب کے عادی نہیں ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ احتساب پر اچھی طرح عمل درآمد ہوا ہے یا نہیں اور اس محکمہ نے انصاف سے کام کیا ہے یا نہیں کیونکہ ہم کو ہمارے سپاہیوں کے بہت سے کارناموں کی خبر دی جاسکتی تھی اور اُس سے دشمن کو کوئی مدد نہ پہنچ سکتی تھی۔ مگر یہ احتساب کا معاملہ بھی صبر اور وفاداری کے ساتھ برداشت کیا گیا ہے۔

برطانیہ کے لوگوں پر **بلجیم** کی سی مصیبت تو نہ پڑی لیکن پھر بھی اُن کو بعض تکلیفیں برداشت کرنی پڑی ہیں۔ اور کسی قدر معاشرتی باتوں میں محرومی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مثلاً **لنڈن** میں رات کو روشنی نہیں کی جاتی تاکہ دشمن کو اپنے ہوائی طیاروں سے رات میں حملہ کرنے میں مدد نہ پہنچے۔ ساحل کے چھوٹے شہروں پر ایسے حملے ہو چکے ہیں اور بہت سی جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ لیکن ایسے حملوں سے کسی مقام پر بدحواسی نہ چھائی اور اگر

تقدیر میں ایسے ہی امتحان اور لکھے ہیں تو ہم کو کافی اعتماد ہے کہ قوم اُن کے مقابلے کے لیے کافی مضبوط ہے۔ موجودہ حالت میں خوش نصیبی سے بڑی مصیبتوں کا سامنا نہیں ہے یعنی کام اور مزدوری موجود ہے اور تجارت میں رفتہ رفتہ مستقل طریقہ سے ترقی ہو رہی ہے۔

تجارت کی جدید تجویزیں

اس جنگ کی وجہ سے **انگلستان** کی حرفتہ اور تجارۃ پیشہ جماعت کے ہاتھ سے **جرمنی** کا بڑا بازار نکل گیا ہے لیکن **امریکہ** اور **ایشیا** کی منڈیاں اُن کے واسطے کھلی ہوئی ہیں۔ جہاں وہ اُن چیزوں پر قبضہ کر سکتے ہیں جو دشمنوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کو بہت سی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ خاصکر کولتار سے **انگلستان** میں رنگ بنانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ یہ **جرمن** لوگوں کی خاص تجارت کی چیز تھی۔ **انگلستان** میں اس تجویز کے کامیاب ہونے کے لیے عزم و ہمت۔ سرمایہ اور کاریگروں کی ضرورت ہوگی اور غالباً گورنمنٹ کی مدد کی بھی ضرورت ہوگی۔ لیکن جنگ کے دوران ہی میں اس تجویز کو مکمل کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

انگلستان میں اونچے درجے کے لوگ

سب سے زیادہ شکر کا یہ مقام ہے کہ **انگلستان** اور **آئرلینڈ** کے باشندوں کو اس جنگ نے بجائے مخالفت کرنے کے متحد کر دیا ہے اور یہ جنگ دونوں کو ہمدردی اور باہمی عزت کا سبق دے رہی ہے۔ جماعت کے جس طبقہ کو اس جنگ سے سب سے زیادہ نفع ہوا ہے وہ غالباً ملک کے اوپر کے درجہ کے لوگوں کا گروہ ہے۔ پچھلے زمانہ میں یہ کہا جاتا تھا کہ اس طبقہ کے لوگ عیش و عشرت کے بہت دلدادہ ہو گئے تھے اور غالباً اس الزام میں بہت کچھ صداقت تھی۔ لیکن موجودہ جنگ میں اس گروہ سے بڑھکر کسی گروہ نے زیادہ بار قبول نہیں کیا ہے اور نہ میدان جنگ میں اس سے زیادہ نقصان ہی اُٹھایا ہے۔ مثلاً شروع دسمبر میں "فونڈرس ڈے" کی تقریب کے وقت **ایٹن** کالج کے ڈیڑھ سو پُرانے طلبا کے ایسے نام پڑھے گئے جو میدان جنگ میں مارے گئے تھے

اور گمان غالب ہے کہ چھوٹے کالجوں کے طلبا کی جو مقتول ہوئے ایسی ہی طولانی فہرستیں ہونگی جو نسبتاً اور بڑی ہونگی۔

جنگ کا مفید اثر

بعض جرمنی کے تعلیم دینے والوں کا یہ عزیز اصول رہا ہے کہ جنگ قوم کو ترقی دیتی ہے۔ ہم نے اس کی بابت بہت کچھ سنا ہے اور کبھی کسی نے اس کی جزوی اور شاید خطرناک سچائی سے انکار نہیں کیا ہے۔ لیکن جرمنی کے یہ بعض زیر بحث تعلیم دینے والے بھول گئے ہیں کہ جو علاج وہ اپنے واسطے تجویز کرتے ہیں اُسے برابر اثر کے ساتھ دوسرے بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ اور یہی بات ہے جو واقع ہوئی ہے۔ جنگ نے کمزوریوں کے مخارج کو برطانیہ سے دور کردیا ہے یعنی ایک وقت تک جنگ نے سیاسی اور جماعتی فریق بندیوں کو معدوم کردیا ہے اور سب کو اُسی بات پر غور کرنے کو مجبور کردیا ہے جس پر غور کرنی چاہیے تھی اور جس کا پہلے وہ جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے یعنی اپنے ملک کی بہبودی پر اب وہ غور کررہے ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ صلح کے بعد وہ اس سبق کو جلد یا قطعی فراموش نہ کریں گے۔

برطانیہ کی سلطنت کی جنگ میں شرکت

اسی طرح برطانیہ کی سلطنت کی بابت کہا جاسکتا ہے۔ یعنی سمندر پار کناڈا سے لیکر آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک جہاں جہاں برطانیہ کی حکومت ہے سب نے بڑی قوت اور آزادی سے جنگ کے بار میں حصہ لیا ہے اور وہ مسلح ہو رہے اور سپاہیوں کو تربیت کر رہے ہیں اور سامانِ خوراک اُنھوں نے برطانیہ کے اختیار میں دیدیا ہے۔

جنوبی افریقہ

صرف جنوبی افریقہ میں کسی قدر پس وپیش کیا گیا ہے اور ہم کو یہ دیکھنے سے تاسف ہوا ہے کہ ڈچ لوگوں میں بڑے بڑے با اثر لوگوں نے اپنی پرانی خود مختاری حاصل کرنے کے لیے جرمنی کی امداد قبول کرلی ہے۔ اگر متحدہ ملک کا یہ فعل ہوتا تو اس کی وجہ ہو سکتی تھی یا نہ ہوسکتی تھی لیکن جنوبی افریقہ کے باشندے ایک منقسمہ قوم

ہیں اور برطانیہ کے خلاف ڈچ لوگوں کی لڑائی کبھی نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی ہوگی۔ لیکن ڈچ لوگوں کی پوری جماعت ایسی بات نہیں چاہتی اور جو بغاوتیں ہوئی ہیں اُن کو ڈچ افواج نے جو ڈچ گورنمنٹ کی ماتحتی میں کام کر رہی ہیں فرو کر دیا ہے۔ اس گورنمنٹ کا حاکم جنرل **بوتھا** ہے اور یہ وہی **بوتھا** ہے جو اُس جنگ میں **برطانیہ** کا سب سے زیادہ مستقل اور کامیاب دشمن تھا جس کو دس برس کا زمانہ ہوا۔ اب وہی **جنوبی افریقہ** پھر فرمانبردار ہوگئی ہے اور جو تکلیفیں اُس نے برداشت کی ہیں اُن پر افسوس کر رہی ہے اور چونکہ وہ اپنے آزاد ارادے اور مرضی سے فرمانبردار ہوئی ہے ہم کو خیال ہے کہ وہ بار دگر گمراہ نہ ہوگی۔

اب ہم **برطانیہ** کے لیڈروں کی شان میں چند کلمات تحسین لکھکر اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ یعنی جو فریق **برطانیہ** میں اس وقت با اختیار و اقتدار ہے وہ **لبرل** یعنی آزادی پسند فریق ہے اور اُس کے مقاصد بالکل اپنے ملک تک محدود ہیں اور اُس کی تجاویز میں جنگ رخنہ انداز ہوئی اور یہ فریق امن و صلح کو ہمیشہ ترجیح دیتا ہے۔ مگر اس گروہ پر آفریں ہے کہ جب اُس نے جنگ کو ضروری خیال کیا تو بڑی جوانمردی اور تیزی کے ساتھ کام کیا۔ **مسٹر اسکوئتھ** اب بوڑھا آدمی ہے لیکن اُس نے جوش جوانی کے ساتھ کام بھی کیا اور اسی جوش کے ساتھ تقریریں بھی کیں۔ **مسٹر لائڈ جارج** وزیر خزائن ہیں اور اُس نے قومی خزائن کا دلیری اور دور اندیشی سے انتظام کیا۔ **سر ایڈورڈ گرے** وزیر صیغۂ خارجیہ آخر تک صلح کی کوشش کرتا رہا اور اُس نے سیاسی راست بازی کی دنیا کو مثال دکھا دی۔ ہر قوم نے جو اس جنگ میں شریک ہوئی اُن مراسلات کو جو جنگ سے پہلے آپس میں لکھے اور بھیجے گئے شایع کر دیا ہے۔ یعنی **انگلستان** اور **فرانس** نے کُل مراسلات شایع کر دئے ہیں اور **جرمنی** نے ایک جزو چھاپ دیا ہے۔ پس جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ وہ یہ بات معلوم کرلے کہ جنگ کا جواب دہ کون ہے تو اُس کو لازم ہے کہ

جنگ سے پہلے کی مراسلات

کہ انھیں مراسلات کو پڑھے کہ اُس کی رائے قایم ہوجاے اور اُس کو برطانیہ کی روش میں غلطی کرنا غیر ممکن ہوجانے گا۔ اور سب سے بڑھکر اُس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سر ایڈورڈ گرے نے ابتدا ہی میں صاف طور سے جرمنی کو آگاہ کردیا تھا کہ اگر جرمن بلجیم پر حملہ کرے گا تو برطانیہ جنگ کرے گی۔

باب یازدہم

جنگ کی تنقیحات

جرمنوں کا مقصد

۔ جز ایک طریقہ سے موجودہ جنگ بھی اور دوسری جنگوں کی طرح صرف اقوامی جنگ ہے یورپ میں جرمنوں نے پھیلنے کی اُسی طرح ایک نئی کوشش کی ہے جس طرح نہایت پرانے زمانہ میں اُنھوں نے اُس وقت کی تھی جبکہ روم کی قدیم سلطنت کو اُنھوں نے برباد کیا تھا۔ ایسی کوشش پر ہم کو تعجب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج جرمنی میں کروروں جرمنوں کے رہنے کی گنجایش باقی نہیں ہے۔ دنیا میں جرمنوں کے مناسب حال آباد ہونے کی اگر کوئی غیر آباد جگہ ہے تو وہ دریاے فرات کی وادی ہے اور اس جنگ کا کسی قدر منشا یہی ہے کہ اُس سمت کو حرکت کی جائے دوسرا مقصد یہ ہے کہ سمندر کی جانب بڑھیں اور سمندر پر حکومت کریں بحیرہ شمالی میں جرمنی کے بندر گاہ برطانیہ کی نزدیکی اور قوت کی وجہ سے ہمیشہ خطرے میں رہتے ہیں۔

لیکن برطانیہ والوں کو اس جنگ پر کسی قدر اس پردازے نظر کرنی چاہیے

برطانیہ جنگ کو کس نظر سے دیکھتی ہے

کہ اس جنگ سے برطانیہ کی قومی حیات معرضِ خطر میں ہے۔ برطانیہ والوں کی جرمنوں سے تعداد بہت کم ہے۔ اور اگر جرمنی کو فتح ہوئی تو برطانیہ کے قبضہ میں جو کچھ ہے جرمنی سب چھین لے گا اور برطانیہ جرمنی کے ساحل کے سامنے ایک ایسا چھوٹا جزیرہ چھوڑ دیا جائے گا کہ برّی یا بحری فوج رکھنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

جنگ کا اصول

لیکن اسی سلسلے کے آگے ایک سوال اور بھی ہے کہ یہ اقوامی جنگ اصول کی بھی جنگ ہے یا نہیں۔ فرانس کے "انقلاب" کے متعلق جو جنگ ہوئی وہ اصول کی جنگ تھی اگرچہ اس جنگ سے ایک فرانسیسی سلطنت قایم ہوگئی تاہم اُس سلطنت کے ساتھ "حقوق انسانی" کا خیال ضرور تھا اور اُس کے ساتھ کم و بیش "قومی خیال" بھی موجود تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آج جو یہ قومیں آپس میں جنگ کر رہی ہیں آیا ان میں سے بھی کسی کے ساتھ کوئی متذکرۂ بالا قسم کا خیال موجود ہے یا نہیں۔

جنگ کس قسم کی ہے

لیکن اس سوال کا جواب آسانی سے اس لئے نہیں دیا جاسکتا کہ یہ نازک وقت نہایت ہی غیر متوقع طریقہ سے یکایک ہم پر آپڑا ہے۔ ابھی تو ہماری سمجھ میں اچھی طرح سے بھی نہیں آیا ہے کہ صورت حال کیا ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہبی جنگ نہیں ہے یعنی انگلستان اور پروشیا تو پروٹسٹنٹ گرجا سے تعلق رکھتے ہیں اور فرانس اور آسٹریا رومن کیتھولک گرجا کو مانتے ہیں نہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ "آزاد گورنمنٹ والے" ایک طرف ہیں اور "خودسر فرمانروائی والے" دوسری جانب ہیں کیونکہ روس اور پروشیا دونوں مطلق العنان اور خودسر ہیں۔ یہ سچ ہے کہ روس نوعی حکومت کی طرف قدم بڑھا رہا ہے لیکن یہ رفتار نہایت سست ہے اور روس کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھا ہے۔ پس اگر اصول کا ہم کو لحاظ ہی کرنا ہے تو ہم کو اپنے تئیں برطانیہ اور جرمنی کی متنازعہ فیہ باتوں تک محدود رکھنا اور دوسری دول کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔

اصولِ حکومت کے لحاظ سے پہلی بات تو یہ ہے کہ برطانیہ کے فرمانروا کی فرمانروائی رعایا کی مرضی پر منحصر ہے لیکن جرمنی میں قیصر کا یہ دعویٰ ہے کہ اُس کو خداوند عالم نے تاج عطا فرمایا ہے برطانیہ کے تاجدار کو کسی قسم کا کوئی ذاتی اختیار نہیں ہے اور ملک پر وزرا حکومت کرتے ہیں جو جمہور کے قایم مقام ہیں۔ جرمنی میں قیصر مختار مطلق ہے اور اپنے وزیر آپ منتخب کرتا ہے۔ ان وزرا کے ماتحت فوج کی طرح کثرت سے افسروں کا ایک انبوہ ہے جن کو وزرا انتخاب کرتے اور تنخواہیں دیتے ہیں۔ لیکن برطانیہ میں افسروں کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے اور اُن کو کچھ اختیارات نہیں ہیں اور اُن کا انتخاب ایسے گروہ کرتے ہیں جیسے میونسپلٹی وغیرہ۔

قریب قریب زندگی کے طرزِ عمل کے تمامی ضروری معاملات میں جرمنی کے افسر ہی جمہور کی زندگی کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اُن کی حکومت عمدہ اور ایماندارانہ ہے اور اس حکومت نے جرمنی کو مضبوط، دولتمند، چاق اور تندرست بنا دیا ہے۔ کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں شہریوں کے ساتھ حکومت کی طرف سے اتنی بھلائی کی جاتی ہو جیسی اور جتنی جرمنی میں کی جاتی ہے۔ جرمنی میں حکومت رعایا کی خوراک۔ سکونت کے مکانوں اور آمدورفت کے وسایل کی خبرگیری کرتی ہے اور رعایا کے لئے مذہبی سامان بہم پہنچاتی اور اُس کو تعلیم دیتی ہے اور جب کسی کو ضرورت پڑتی ہے تو اُس کو کام دیتی ہے اور آخر کو بڑھاپے میں اُس کی پنشن مقرر کر دیتی ہے۔ اس کے برخلاف ان معاملات میں وہ رعایا کو یہ آزادی نہیں دیتی کہ وہ خود اپنی مرضی سے کچھ انتخاب کرے یعنی افسر اُس کے واسطے جو کچھ تجویز کرتے ہیں اُس کو وہی ماننا اور کرنا پڑتا ہے۔ عموماً جرمن اس کی کچھ پروا نہیں کرتے اور بُرا نہیں مانتے بلکہ وہ یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ حکومت کے اُن پر ایسے احسان ہیں کہ اُس کے شکریے میں جو کچھ حکومت کی مرضی ہو اُن کو بڑی بڑی قربانیاں کرنا چاہیئے اور قیصر کی افواج میں وہ خوشی سے خدمات بجا لائیں اور بھاری بھاری ٹیکس دیں اور

جرمنی میں افسروں کی کثرت

جرمن حکومت کے اچھے کام

سب سے زیادہ اپنے **قیصر** کی فرمانبرداری اور عزت کریں۔ اور پشتہا پشت سے جرمنوں کو سرکاری اسکول ماسٹروں نے مدرسوں میں اور مذہبی واعظوں نے وعظ کے منبر سے یہی تعلیم و تلقین کی ہے۔

لیکن **برطانیہ** میں یہ طریقہ نہیں ہے۔ یعنی ہم جس بات پر بھروسہ کرتے ہیں وہ ہمارے شہریوں کی ایسی جماعت ہے جو اُن کی اپنی مرضی کے موافق قایم ہوتی ہے اور اگر وہ شہری قواعد کی پابندی بھی کرتے ہیں تو اپنی رائے میں خود مختار اور اپنی مرضی کے اعتبار سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس طریقہ میں بہت سے نقصانات ہیں کیونکہ اس طریقہ سے کاہل اور خودغرض اُسی طرح آزاد رہتے ہیں جس طرح بااصول لوگ آزاد ہوتے ہیں اور **انگلستان** میں **پروشیا** سے تعداد میں زیادہ بُرے شہری ہیں۔ **انگلستان** میں یہ سبق سیکھا جارہا ہے اور لوگوں نے یہ خیال کرنا شروع کیا ہے کہ حکومت کو لوگوں کی زندگی کا اُس سے زیادہ نگراں ہونا چاہیے جیسا کہ اب تک ہوا ہے۔ لیکن یہ خیال اُن کا اب بھی ہے کہ حکومت کو خود شہری انتخاب کریں۔ اور یہ کام اپنی جماعتوں کے ذریعہ سے کریں اور اپنے فرمانرواکو وہ **قیصر** بنانے کا ذرا سا بھی ارادہ نہیں رکھتے۔ (برطانیہ اور جرمنی کے اصول کا اختلاف)

ان معاملات میں **انگلستان** اور **جرمنی** کو ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھنا تھا اور اس کا افسوس ہے کہ اس تعلیم کے راستے میں موجودہ جنگ حایل ہوگئی۔ مگر چونکہ ایسا ہو ہی گیا ہے تو اب ہم کو جنگ کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ ایک قوم کو سب سے زیادہ قوت دیا کرتا ہے اور یہ بات فتح سے طے ہوجاے گی کہ آیا دنیا جمہوری حکومت کو زیادہ عزیز بناتی اور ترقی دیتی ہے یا مطلق العنان اور خودسر فرمانروائی کو محبوب بناتی ہے۔ (جنگ سے کیا فیصلہ ہوتا ہے)

شاہنشاہی اقتدار کے استعمال کے لحاظ سے بھی **برطانیہ** اور **جرمنی** میں رائے

کا اختلاف ہے - اتنی بات میں تو دونوں کا اتفاق ہے کہ اپنی سلطنت کو اپنے ہی طریقوں کے رنگ میں رنگنا چاہیے لیکن برطانیہ اس بات کو ترجیح دیتی ہے کہ مختلف قومیں اور جماعتیں اپنے ہی خیالات کی پیروی کریں اور اپنے ہی راستہ پر رہ کر ترقی کریں - لیکن جرمن طریقہ یہ نہیں ہے یعنی جرمن اپنی ہی روش پر ہر شخص کو چلانا چاہتے ہیں - برطانیہ کے طریقہ میں جو دانائی ہے وہ ایک طولانی تجربہ کے بعد معلوم ہوئی ہے اور بہت سی غلطیاں کرنے کے بعد ظاہر ہوئی ہے - یعنی انگریزوں نے ہمیشہ اس طریقہ کو وسعت نہ دی نہ ہمیشہ انھیں اصول پر اپنی سلطنت میں حکومت کی تھی اور پچھلے زمانہ کی غلطیوں کی وجہ سے اُن کو کچھ مصائب اُٹھانی باقی رہیں اور بعض ایسے مسائل باقی رہ گئے ہیں کہ اُن کا حل کرنا دشوار ہے یعنی انگریزی حکومت میں بعض ایسی قومیں موجود ہیں جو راضی نہیں ہیں - مثلاً آئرلینڈ کے باشندے لیکن ہنگام مصیبت میں اُنھوں نے بھی برطانیہ کے خلاف بغاوت نہ کی اور نہ اُس کی طرف سے جنگ کرنے سے انکار کیا - اُن کو یقین ہے کہ اُن کی آیندہ خوشحالی برطانیہ کی خوشحالی کے ساتھ وابستہ ہے - یہی حال جنوبی افریقہ کے ڈچ لوگوں کا ہے - اور چونکہ اب وہ برطانیہ کی حکومت کو سمجھتے ہیں تو اُنھوں نے اُس کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا ہے بلکہ اپنے زور بازو سے اُس کی حفاظت کی جستجو کرتے ہیں - دوسرے مقامات کے متعلق اس سے زیادہ بیان ہو سکتا ہے - اور اب تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سلطنت برطانیہ اس فکر و جستجو میں ہے کہ دنیا کے ممالک میں جہاں تک اُس کا حصہ ہے ایک مشترکہ حکومت کو وسعت دے جس میں مختلف تاریخ اور مقاصد کے لوگ ملکر مدد دے سکیں اور امن و صلح کے ساتھ زندگی بسر کریں - یہ کام حقیقت میں بذاتہ نہایت دشوار ہے کیونکہ خود سلطنت کے مختلف لوگوں میں ایسے باہمی اختلاف اور نفاق موجود ہیں کہ پیچیدگیاں اور تلخ خیالی پیدا ہو جاتی ہے لیکن کم سے کم یہ ارادہ ضرور کیا جا رہا ہے کہ امن و صلح کے ذریعوں سے یہ اختلافات طے ہو جائیں -

سپاہ کے متعلق برطانیہ اور جرمنی کی حکمتِ عملی کا اختلاف

اس کے بعد برطانیہ اور جرمنی میں پھر ہمکو حکمتِ عملی کا ایک اختلاف ملتا ہے۔ یہ صحیح ہوسکتا ہے کہ بہت سے جرمن ایسے ہیں جو امن و صلح کو پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی جرمنی ایسا جنگجو ملک ہے کہ برطانیہ ویسی نہیں ہے۔ فوجی وردی کی اور خاصکر افسر کی وردی کی عزت انگلستان میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ اور ایک فوجی افسر ایک سادہ شہری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن جرمنی میں یہ حال ہے کہ بہت سے معاملات میں فوجی افسر قانون کی رسائی اور دسترس سے بالاتر ہے۔ یعنی اُس کو اجازت ہے کہ جب اُس کا کسی برادر افسر سے جھگڑا ہو تو دُوبدُو جنگ کر کے فیصلہ کر لے اور کوئی معمولی شہری اُس کی توہین کرے تو خود اپنی تلوار سے اُس کو سزا دے۔ چنانچہ فوجی وردی کی ایسی شدّت سے عزت کرنے ہی کو ہم "جرمنی کی حرب پرستی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے سوا جرمنی میں ایک اور یہ خیال ہے کہ کوئی شخص جب تک حرب میں تربیت و تعلیم یافتہ نہ ہو وہ کسی عزت کا نہ تو مستحق ہے نہ اُس کو جماعت میں کوئی جگہ مل سکتی ہے۔

ہاں یہ خیال اس حد تک تو صحیح ہوسکتا ہے کہ جہاں تک پبلک کی بھلائی کے لیے اپنے قربان کر دینے سے اُس کا تعلق ہے۔ مگر صرف سپاہی کا پیشہ ہی ایک ایسا پیشہ نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص اُسی کے ذریعہ سے اپنے تئیں ایک اچھا شہری ثابت کرے کیونکہ ہر شخص اپنی فطرت کے اعتبار سے سپاہی کی صفات سے متصف نہیں ہوسکتا۔ اب انگریزی خیال کو بھی دیکھیے سپاہی کا پیشہ ایسے شخص کے لیے کھلا ہوا ہے جو اپنے تئیں اُس میں داخل ہونے کے قابل خیال کرتا ہے اور سب معمولی لوگ جو جسمانی اعتبار سے قابل ہوتے ہیں رضا کاروں (والنٹیروں) کی طرح کچھ سادہ حربی تعلیم پاتے ہیں اور جس وقت قومی خطرہ پیش آتا ہے تو ہر شخص کو سپاہی کے طور پر مدد دینی چاہیے۔ لیکن دائمی اور جبریہ حربی خدمت لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم اپنی تلوار پر حد سے زیادہ بھروسا کرنے لگتی ہے اور بہت آسانی سے تلوار سے چارہ جوئی کرتی ہے اور حکومت کی رہنمائی پیشہ ور سپاہیوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے

جرمنی نے ہی کیا ہے - اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید نہایت شدید ضرورت نے جرمنی کو ایسی تدبیر اختیار کرنے پر اُس زمانہ میں مجبور کیا تھا جبکہ جرمنی نپولین کے قدموں کے نیچے پڑا ہوا تھا - لیکن نپولین کے زمانہ کے بعد سے جرمنی کی حکمتِ عملی یہی رہی ہے کہ یورپ کی تمامی قوموں سے زیادہ اُس کے پاس سپاہ - اور توپیں ہوں اور آخر کار سب سے زیادہ جہاز ہوں - اور اسی کو ہم "حرب پرستی" کہتے ہیں اور اس حرب پرستی کے خلاف اب برطانیہ کی حکمتِ عملی کو دیکھئے کہ وہ جرمنی کا بالکل عکس ہے یعنی جہاں تک ممکن ہو تھوڑی سپاہ قومی حفاظت کی ضرورت کے لایق رکھی جائے - اب رہا برطانیہ کے جہازوں کا بیڑا کہ وہ سب سے زیادہ بڑا ہے تو اُس کا ایسا ہونا حق بجانب ہے کیونکہ برطانیہ کے اندر کافی خوراک کا سامان پیدا نہیں ہوتا پس اگر چند ماہ کو بھی سمندر ہاتھ سے نکل جائے تو تمام ملک بھوک سے مر جائے - چنانچہ برطانیہ کی حکمت عملی برطانیہ کے واسطے کسی قدر خطرناک ہے اور دوسری دول نے اس کو بزدلی سمجھا ہے لیکن اصل میں شایستگی کو امن و صلح سے آمیز کرنے کی یہ ایک کوشش ہے -

آخر میں یہ کہنا چاہیے کہ موجودہ جنگ بین الاقوامی خیال کے قایم اور باقی رکھنے کی ایک کوشش ہے - اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ بین الاقوامی قانون اُس قانون سے جدا اور مختلف چیز ہے جو انسانوں کے درمیان جاری اور نافذ ہے اس لیے کہ بین الاقوامی قانون کے قایم کرنے اور اُس پر عملدرآمد کرانے کی کسی میں قدرت نہیں ہے - اور حقیقت میں ایسی کوئی طاقت نہیں ہے - شاید کوئی ایسا دن آئے کہ ایسی طاقت کا وجود ہو جائے - لیکن موجودہ زمانہ میں تو صرف وہ معاہدات ہی ہیں جو صلحناموں کے ذریعہ سے کیئے جاتے ہیں - ان معاہدات میں اُنھیں باتوں کی بحث ہوتی ہے جن پر باہم اختلاف ہوتا ہے اور مختلف فریق مان لیا کرتے ہیں کہ وہ کن کن باتوں پر کاربند رہیں گے - مثلاً یورپ کی دول نے یہ آپس میں معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر اُن کے باہم جنگ ہو گی تو کوئی بلجیم اور سوئزرلینڈ کی زمین پر قدم نہ رکھے گا

اور اگر کسی نے ان پر حملہ کیا تو دوسری دول بزورِ شمشیر اُن کی حفاظت کریں گی۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کے معاہدات کسی قوم کو ہمیشہ کے لئے پابند بھی کر دیتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ کچھ دنوں بعد وہ لوگ مر جاتے ہیں جنہوں نے ان عہدناموں پر دستخط کئے تھے اور ممکن ہے کہ دوسری پُشت اپنے پیش رو لوگوں سے مختلف خیال کی ہو۔ بہرحال حالات تبدیل ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ ایسا وقت آتا رہتا ہے کہ ایک قوم اپنے تئیں یہ کہنے کا مستحق خیال کرتی ہے کہ اب وہ فلاں معاہدے کی پابند نہیں ہے۔ مگر اس سے کوئی قوم یہ کہہ دینے کے لئے آزاد نہیں ہو سکتی کہ وہ معاہدات کو ایسا خیال نہیں کرتی کہ وہ اُس کو ایک لمحے کے لیے بھی پابند کریں۔ چنانچہ صحیح تخیل یہ ہے کہ معاہدات پر سنجیدگی کے ساتھ اُس وقت تک عمل ہونا چاہیے کہ جب تک ممکن ہو۔ پس جو قوم اس کا خیال رکھتی اور اس پر عملدرآمد کرتی ہے دوسری قومیں اُس پر اعتماد کرتی ہیں اور یہ قوم امن و صلح میں ممد ہی نہیں ہوتی بلکہ اپنے تئیں مضبوط بناتی اور طاقت بخشتی ہے۔

موجودہ جنگ چھڑنے سے قبل جرمنی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بلجیم کی غیر جانبداری کا احترام کرے گا۔ لیکن ہمارے پاس یہ خیال اور شبہ کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ جس وقت جرمنی نے ایسا وعدہ کیا تھا تو وعدہ ایفا کرنے کا اُس کا ارادہ نہ تھا۔ چنانچہ جب موقعہ آیا کہ اُس وعدہ کے موافق بلجیم کی حفاظت کی جائی تو جرمنی نے وہ وعدہ فوراً شکست کر دیا۔ اور جب "برطانیہ" کے سفیر نے شکایت کی تو جرمنی کے وزیر نے تعجب سے کہا کہ "ارے برطانیہ کو "ایک کاغذ کے پُرزے" کا ایسا اور اسقدر خیال ہے" پس ہم پوچھتے ہیں کہ اگر جرمنی کے دوسرے وعدہ کو دنیا "ایک کاغذ کا پُرزہ" خیال کرکے ویسا ہی عمل بھی کرے تو کیا جرمنی کو اطمینان ہوگا؟ جرمنی نے برطانیہ کے سامنے یہ وعدہ پیش کیا تھا کہ "اگر برطانیہ موجودہ جنگ میں شریک نہ ہوا اور غیر جانبدار رہے تو جنگ کے بعد جرمنی بلجیم سے کنارہ کش ہو جائے گا" یعنی فرض کر لیا گیا تھا کہ جرمنی کو فتح ہوگی۔ تو اب ہم کو کوئی بتائے کہ جرمنی کا یہ وعدہ بھی "کاغذ کا پُرزہ" تھا یا نہیں تھا۔

جرمنی کی بدعہدی

جرمنی کی معاہدہ شکنی بس یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس معاہدہ شکنی سے ہم کو ایک اصول کی مثال ملتی ہے جس کی خاطر **برطانیہ** جنگ کر رہی ہے اور وہ معاہدوں اور قومی وعدوں پر کاربند ہونے کا اصول ہے - اور یہ آخری بات ہی جو جنگ کے متعلق ہم کو قایم کرنی تھی کہ جہاں تک **برطانیہ** اور **جرمنی** کا جنگ سے تعلق ہے یہ جنگ زندگی کے مختلف خیالات اور رایوں کے متعلق ہے اور اس کا تعلق شایستگی اور جنگ اور سلطنت کے مختلف خیالوں سے ہے - ہمکو بھروسا ہی کہ **برطانیہ** کو فتح ہوگی اور **برطانیہ** کے خیالات اور رائیں حق بجانب ثابت ہونگی -

باب دوازدہم

ہندوستان اور جنگ

پچھلے سو برس کی **یوروپ** کی جنگوں میں **ہندوستان** نے کوئی حصہ نہیں لیا - وہ صرف تماشائی رہا - لیکن آج میدان جنگ میں وہ موجود ہے - یہ بات ہر شخص نے پہلے سے نہ دیکھی تھی اور نہ **برطانیہ** کی گورمنٹ کو نہ خود **ہندوستان** کے لوگوں کو یہ خیال تھا کہ **یوروپ** میں جنگ کے لیے میں **ہندوستان** کیا کریگا - لیکن جب وہ لمحہ آ پہنچا تو لارڈ ہارڈنگ، جیسا وائسرائے ہندوستان میں اس وقت کے واسطے موجود تھا جس نے طرز عمل کے فیصلہ کو اس بصیرت سے آمیز و متحد کر دیا جو اس کو **ہندوستانیوں** کے اندرونی خیالات کی طرف سے حاصل تھی - اور یہ **فیصلہ** اس لایق تھا کہ

ہندوستان کی طرف سے ایک وکیل کی طرح بولے اور ہندوستان کی اُسے صحیح اور سیدھی شاہ راہ پر رہنمائی کرے جو ہندوستانیوں کی عین مرضی اور وفادارانہ تحریکوں کے مطابق تھی لارڈ ہارڈنگ کو ہندوستانیوں کی وفاداری کی طرف سے نہ تو خود شبہ تھا اور نہ دوسروں کو اُس نے ایک لمحے کے واسطے شبہ کرنے کی اجازت دی۔ اور جنگ کے شروع ہوتے ہی اُس نے حضور شاہنشاہ جارج پنجم کو ہندوستان کی ہمدردی اور امداد کا یقین دلانے والا پیغام روانہ کر دیا اور اس ہمدردی اور امداد کا ہندوستان نے اُس وقت تک برابر عملی ثبوت دیا ہی۔

دیسی افواج کی جنگ میں شرکت

اس یقین دلانے والے پیغام کے ساتھ ہی فوراً یہ فیصلہ بھی کر دیا گیا کہ برطانیہ کی افواج ساتھ ہندوستان کی سپاہ بھی میدان جنگ میں شریک کی جائے چنانچہ ہندوستان کی گورا فوج کا ایک بڑا حصہ فرانس کو روانہ کر دیا گیا اور اس انگریزی فوج کے ہمراہ رفیقان حرب کی طرح ہندوستان کی جنگجو قوموں کی پلٹنیں بھی روانہ ہوئیں۔ یعنی پٹھان - گورکھا - سکھ - راجپوت اور پنجابی جو ایسی قوموں کی اولاد ہیں کہ یہ قومیں ایک زمانہ دراز تک اسی ہندوستان میں برابر لڑتی رہی تھیں یا آج متحد ہو کر برطانیہ کی طرف سے ایک ہی جھنڈے کے نیچے جا رہے ہیں - اور برطانیہ کے افسران کی کمان کر رہے ہیں -

دیسی سپاہ اور ہندوستانیوں کی وفاداری

وہ کیا مقصد تھا جس کے لیے یہ سب متحد ہو کر گئے ہیں ؟ کوئی خیال نہیں کر سکتا کہ ہندوستانی سپاہ کے تمامی سپاہی اُس حالت کو جانتے تھے جو یورپ میں واقع تھی - بہت سے ان سپاہیوں میں ایسے تھے کہ صرف جرمن نام سننے کے سوا اور کچھ نہ جانتے تھے - لیکن ہندوستان کا امن اور ہندوستان کی خوشحالی ایسی چیزیں تھیں جن کی اوا قعیت اور اصلیت کو سپاہی جانتے تھے اور اُن کو معلوم تھا کہ اس امن و خوشحالی کا انحصار اُسی گورنمنٹ کی ذات سے وابستہ تھا جس کا وہ نمک کھاتے تھے پس اُنھوں نے گورنمنٹ کے دشمنوں کو

اپنا دشمن یقین کر لیا - تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا بھی یہی خیال تھا - لیکن اُنھوں نے متحدین کے حق میں اپنا فیصلہ بھی صادر کر دیا اور اُنھوں نے اتفاق کر لیا کہ معاملے کی وہ صورت ہے کہ اُن کو اُس سے اتفاق بھی کرنا چاہیے اور مدد بھی دینی چاہیے - اور ہم ابھی بتاتے ہیں کہ اُنھوں نے کس قسم کی مدد دی ہے - لیکن پہلے اُن سپاہیوں کا حال بیان کرتے ہیں جو میدانِ جنگ میں گئے ہیں -

ان سپاہیوں کو بڑا طولانی سفر درپیش تھا اور اُنھوں نے گویا پہلی دفعہ سمندر اور جہاز کی شکل دیکھی اور اُن کو ایک نئے ملک میں جانا تھا جہاں اُن کے لیے ہر بات اجنبی تھی اور بہت سی باتیں جہاں کی اُن کی سمجھ سے باہر تھیں جہاں کا موسم ایسا سخت تھا کہ اُنھوں نے ویسا کبھی برداشت نہ کیا تھا اور سب سے بڑھکر یہ تھا کہ اُن کو ایسی جنگ کا سامنا تھا کہ جس سے زیادہ سخت ہو ہی نہ سکتی تھی - یورپ کے جاڑے کی سردی اور نمی - پھر کھُلی خندقوں میں آسمان کے نیچے ایک عرصۂ دراز تک رہنا ایسی چیزیں تھیں کہ مضبوط سے مضبوط یورپی مزاج والے شخص کے لیے بھی ایک قیامت تھیں - لیکن ہندوستانی سپاہیوں کے لیے تو وہ ایسی آزمایش کی باتیں تھیں کہ دنیا کے کسی محاربہ میں اُس سے بڑھکر جانچ نہ ہوئی تھی - لیکن ہم بڑی خوشی سے لکھتے ہیں کہ اِن ہندوستانی سپاہیوں نے اپنی قدیم روایات کی لاج رکھ لی اور اپنے سپہ‌سالار اور اپنے ہموطنوں کو مطمئن کر دیا - اُن کے کارناموں کی پوری تفصیل ابھی ہم کو معلوم نہیں ہوئی ہے - یہ ہندوستانی سپاہی موقع پر اُس وقت پہنچے جبکہ انگریزی سپاہ مونز سے مراجعت کر چکی تھی اور پیرس کے قریب اُن کے مورچے قایم کئے گئے جہاں انگریزی سپاہ کے دوش بدوش اُنھوں نے کام کیا - اُن پر سے خوفناک جنگ اور جدوجہد کے سخت لمحے اب گزر چکے ہیں - بعض وقت وہ لغزش میں آئے لیکن کبھی ناکام ہو کر اُنھوں نے پیٹھ نہ دکھائی یا واپس ہوئے اور اُن کے مورچے ویسے ہی استحکام سے قایم ہیں اور دشمنوں سے مقابلہ ہے -

ایک ہندوستانی افسر کی بہادری

جنگ میں بڑے بڑے پُرجوش حملے کیئے گئے اور فرداً فرداً سپاہیوں نے عجیب و غریب بہادری کے کام کر دکھائے ہیں۔ ہم کو ایک ہندوستانی افسر کا حال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس افسر کے سپاہیوں پر گھاس کی گنجی سے برابر گولیاں چلی آتی ہیں اور سپاہیوں کا سخت نقصان ہو رہا تھا۔ چنانچہ یہ ہندوستانی افسر ایک طولانی پوشیدہ راستہ سے رینگتا ہوا اس گھاس کی گنجی کے پاس پہنچا اور اُس پر اپنا طپنچہ خالی کر دیا اس کے بعد یہ گھاس کی گنجی کھولی گئی اور اُس کے اندر سے ایک مُردہ جرمن سپاہی برآمد ہوا جس کے قریب کئی ہزار کارتوس اور ایک ہفتہ کی خوراک موجود تھی۔ اس سے بھی زیادہ ممتاز خدمت کے صلے میں ۱۲۹ نمبر کی بلوچی پلٹن کے سپاہی کو "وکٹوریہ کراس" کا تمغہ دیا گیا ہے۔ اس سپاہی کا نام خداداد خاں ہے اور کلدار بندوق کی کمپنی کا یہ آخری سپاہی تھا جو زندہ بچا تھا اور یہ اُس وقت تک برابر کام کرتا رہا تھا جبکہ اُس کی کمپنی کے تمامی جوان مارے جا چکے تھے اور جب وہ اپنی رجمنٹ میں واپس آیا ہے تو کثرت سے مجروح تھا اور اُس کو وکٹوریہ کراس کا تمغہ انعام میں عطا کیا گیا اور اب وہ اس تمغہ کو اور لوگوں کے ساتھ لگاتا ہے جن کو بعد کو ایسے تمغے دیئے گئے ہیں۔

ایک سکھ کی وفاداری

اسی کے ساتھ ہم کو ایک سکھ کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ یہ چند سال ہوئے اپنی رجمنٹ سے پنشن لیکر علیحدہ ہوا تھا اور اب "ارجن ٹائن ریپبلک" میں کاروبار کرتا اور روپیہ کماتا تھا۔ لیکن جب موجودہ جنگ شروع ہوئی تو اُس نے اپنا سب کاروبار چھوڑ دیا اور انگلستان تک اپنا سفرخرچ خود دے کر گیا اور اپنے تئیں میدانِ جنگ میں جانے کے لیے پیش کر دیا۔ چنانچہ اب وہ جنگ میں مصروف ہے لیکن اب تک اُس کو کوئی اعزازی تمغہ نہیں ملا ہے لیکن شجاعت اور وفاداری جہاں تک تحسین و آفرین کی مستحق ہو سکتی ہے یہ سکھ سپاہی اُس سب کا مستحق ہے۔

ہندوستانی سردار

جو کچھ ہم نے اس سکھ کی بابت کہا ہے ہم دوسرے ہندوستانی سرداروں کی بابت بھی کہتے ہیں جنھوں نے خود خدمت انجام دینے کو بھیجا اور جہاں کہیں ضرورت ہوئی

انھوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔ ان میں سے کسی نے بے اعتنائی نہ کی اور بعض نے توجہ سے فزوں فیاضی کا ثبوت دیا۔

ہندوستان کے غیر جنگجو لوگوں نے دونوں طریقوں سے اپنے سپاہیوں کی مدد کی یعنی ہمدردی کا ثبوت بھی دیا اور روپیہ سے بھی مدد کی۔ جنگ کی مصائب کم کرنے اور خصوصاً سپاہیوں اور اُن کے بال بچوں کی مدد کی غرض سے مختلف قسم کے فنڈ قایم کیے گئے۔ پہلا **والسرائے** کا "امپیریل ریلیف فنڈ" ہے اور اب اُس کی مقدار ستر لاکھ روپیہ ہے اس کے بعد مختلف صوبجات نے اپنے اپنے جداگانہ فنڈ قایم کیئے ہیں اور صرف **بمبئی** میں اس فنڈ کی مقدار ۳۲ لاکھ روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اسی فنڈ سے بمبئی اور اسکندریہ میں ہسپتال قایم کیئے گئے ہیں۔ اور خوراک اور لباس کی چھوٹی آسایش کی چیزیں سپاہیوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ بدنصیب **بلجیم** والے بھی فراموش نہیں کیئے گئے ہیں اور **بمبئی** کے فنڈ سے اُن کو بھی ایک حصہ بھیجا گیا ہے اور وہ فنڈ جُدا ہے جو خاص **بلجیم** والوں کے لیئے قایم کیا گیا ہے۔

جب چندوں کی فہرستیں پڑھئے تو چندہ دینے والوں کی اقسام اور اُن کی فیاضی سے حیرت ہو جاتی ہے۔ ان فہرستوں میں ہم کو راجوں نوابوں اور دولتمند تاجروں کے نام تو ملتے ہی ہیں اور ان ناموں کے پائے جانے کی توقع تھی۔ لیکن ہم کو تو ان فہرستوں میں قُلیوں۔ کارخانوں میں مزدوری کرنے والوں۔ گاؤں والوں۔ طالب علموں اور مکتب کے بچّوں تک کے نام ملتے ہیں اور اگر ہم ذرا اور تحقیقات سے کام لیں تو در حقیقت ہم کو بہت سے غریبوں اور مسکینوں کے حالات معلوم ہونگے کہ چندہ دینے میں اُن کو کسی قسم کے نفع یا نام و نمود کا خیال نہ تھا اور اُنھوں نے فی الواقع اپنے اوپر تکلیفیں گوارا کیں اور چندہ دیا ہے۔

اگرچہ **ہندوستان** کے غیر جنگجو لوگوں کو ابھی اس جنگ سے بہت سخت

پبلک کے امدادی فنڈ

چندوں کی فہرست

ہندوستان کو مستقل رہنا چاہیے

تکلیف نہیں پہنچی ہے تاہم کسی قدر تکلیف ضرور ہو رہی ہے۔ روئی کی قیمت گر گئی ہے اور اس لئے اُن اضلاع کو نقصان پہنچا جہاں روئی کی کاشت ہوتی تھی گیہوں کی قیمت چڑھ رہی ہے اور ذرا سی گرانی سے غربا پر مصیبت آجاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب یہ جنگ جاری رہے گی اور دنیا غریب ہو جائے گی تو ہندوستان کو اور زیادہ تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہم کو شک نہیں ہے کہ **ہندوستان اس نازک وقت کا عقل اور استقلال سے مقابلہ کرے گا۔**

ہندوستان کو نفع کی امید

ہندوستان کو ایک نفع بھی ہوگا۔ یعنی اُس کو یہ احساس حاصل ہو جائیگا کہ ہندوستان کے لوگوں کی بھی قوموں کے درمیان جگہ ہے۔ **ہندوستان** کو خودداری اور مرتبہ حاصل ہوگا اور قوم کی تمامی امیدیں وسیع ہو جائیں گی اور اگر **ہندوستان** لینے کو تیار ہوگا تو اُس کو بعض تجارتی نفعوں کے حاصل ہونے کا بھی امکان ہے۔ اور کم سے کم **ہندوستان** اس ضرورت کو تو سیکھ ہی جائیگا کہ ہنرمند کاریگروں اور عالی قسمت آزمائی کی اُس کو ضرورت ہے۔

آخر میں ہم کو یہ امید ہو سکتی ہے کہ اس نازک ہنگام میں جو باہمی خیر طلبی کا احساس ہوا ہے اُس سے **یوروپ** اور **ہندوستان** کے لوگ زیادہ قریب ہو جائیں گے اور دونوں کی آئندہ پُر ثمر زندگی میں جو مل کر کام کرنے سے پیدا ہوگی کسی طرح کا شک نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پچھلے برسوں میں کچھ ایسے اختلافات پیش آتے رہے ہیں کہ اُن کی یادگار غمناک ہے اور یہ جنگ ہم کو سبق دے گی کہ بجائے اختلاف و نفاق کے ہم میل ملاپ اور اتحاد کے مواقع کی جستجو کریں۔ اور **بادشاہ سلامت** نے اپنی سب رعایا کے واسطے ساز کے تار پر مضراب لگا دی ہے اور **والسرائے** کو پیغام بھیجا ہے کہ وہ **اینجانب** کی سلطنت کی حفاظت اور اُس کے سالم اور متحد رکھنے کی غرض سے سلطنت

کے تمامی باشندوں کی طرف سے جو اتحاد و یکجہتی کے واقعات معرضِ ظہور میں کثرت سے آئے ہیں اُن میں سے کسی واقعہ نے **ایچ ای ایچ** کو ایسا متاثر نہیں کیا ہے جیسا کہ **ہندوستان** کی رعایا اور جاگیرداروں رئیسوں اور **ہندوستان** کے ہندوستانی فرمانرواؤں کی پُرجوش جاں نثاری نے جو ایچ ای ایچ کے گورنمنٹ سلطنت کی حمایت میں ظاہر ہوئی ہے اور اُنھوں نے انتہائی فیاضی سے اپنی جانوں اور ریاست کے تمامی سامانوں کو سلطنت کے واسطے پیش کر دیا ہے۔ متاثر کیا ہے۔ اُن کی ہم آواز درخواست نے کہ جنگ میں وہی سب سے آگے بھیجے جائیں **ایچ ای ایچ** کے دل پر اثر کر دیا ہے۔ اور اُس الفت و محبت میں ایک انتہائی درجہ کا ہیجان پیدا کر دیا ہے جس کو **ایچ ای ایچ** اچھی طرح سے جانتے ہیں اور وہ **ایچ ای ایچ** اور **ایچ ای ایچ** کی ہندوستانی رعایا کو ہمیشہ سے ایک رشتہ میں منسلک کئے ہوئے ہے۔ **ایچ ای ایچ** کو **ہندوستان** کا وہ فیاضانہ پیغام جو اپنی نیک نیتی اور رفاقت کے متعلق اُس نے **ایچ ای ایچ** کی ۱۹۱۲ء کی دہلی کے دربار تاجپوشی سے مراجعت کے وقت انگریزی قوم کو بھیجا تھا یاد ہے اور اب اس آزمائش و امتحان کے وقت آپ کے یہ باور کرانے کا کہ **برطانیہ اعظم** اور **ہندوستان** کی قسمتیں اب ایسی آپس میں متحد ہو گئی ہیں کہ جدا ہونے کا امکان باقی نہیں **ایچ ای ایچ** پورا نتیجہ اور شریفانہ ایفا دیکھ رہے ہیں۔" آؤ- ہم سب اسی آواز کو ہر طرف بار بار دوہرائیں۔

باب سیزدہم

توقعات اور نتائج

آج یکم فروری ۱۹۱۵ء کو جنگ کے نتائج کا اندازہ کرنا دشوار ہے اور پہلی نظر ڈالنے

پر اُن میں مایوسی معلوم ہوتی ہے - جنگ کو چھ ماہ ہو چکے اور بلجیم اور شمالی فرانس ہنوز دشمن کے ہاتھ میں ہے اور اسی طرح سے پولینڈ کا بڑا حصہ اُس کے قبضہ میں ہے اور کسی مقام پر بھی متحدہ افواج خاص جرمنی یا آسٹریا کی جرمنی سلطنت میں داخل نہیں ہوئی ہیں -

نتائج کا اندازہ دشوار ہے

مگر اِس کے برخلاف :-

جرمنی کی ناکامی

یکم - کسی سمت میں جرمنی کی تجویزیں کامیاب نہیں ہوئیں یعنی جرمنی نے نہ تو پیرس لیا ہے نہ کیلے یا وارسا کو فتح کیا ہے - انگلستان اور مصر پر جو حملے ہونے کو تھے وہ بھی نہ ہوسے - برطانیہ کی سلطنت نے جنگ کے صدمہ کو برداشت ہی نہیں کیا ہے بلکہ حقیقت میں وہ قوت پکڑ رہی ہے اور اُس میں اِتحاد کا احساس ہوتا جاتا ہے -

دویم جرمنی کا یہ نقصان ہوا ہے کہ اُس کے مقبوضات زنگبار و اور ساموا اُس کے قبضہ سے نکل گئے کئی سو جہازوں اور بیرونی تجارت کا نقصان ہوا - مگر اس کے برخلاف دیکھئے کہ برطانیہ کی گرہ سے کچھ نہ گیا - جنگ نے اُس کی تجارت میں خلل ڈالا لیکن اس پر بھی تمام دنیا سے اُس کی تجارت ہو رہی ہے اور اُس کی کوئی دستکاری بند نہیں ہے -

فریقین میں سپاہ کا نقصان

دونوں طرف سے سپاہ کے نقصان کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا لیکن ابھی سب سے پچھلے اعداد سے جو جرمنی نے تسلیم کئے ہیں اُس کی طرف آٹھ لاکھ مقتول مجروح یا اسیر ہوے ہیں اور ان کا تعلق صرف پروشیا کی افواج سے ہے اور اس میں جنوبی جرمن سلطنت کی سپاہ شامل نہیں ہے - اور اگر ہم اس تعداد میں مریضوں اور ایسے خفیف مجروحین کی تعداد جو اچھے ہو کر پھر اپنی سپاہ میں جا ملے ہیں اور اضافہ کر دیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جرمنی افواج سے دس لاکھ کام کے سپاہی کم ہو گئے ہیں - اور اسی طرح

اندازہ کرنے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کی طرف پچاس ہزار کا نقصان ہوا۔ رہا روس اور "فرانس" کی طرف سپاہ کا نقصان تو ہم کو یہاں ہندوستان میں اُس کی تعداد معلوم کرنے کا صحیح طریقہ سے سامان میسر نہیں آسکتا لیکن فرانس میں اگرچہ فرانسیسی سپاہ کا بہت نقصان ہوا ہے تاہم وہ جرمنی کے نقصان سے کم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے اور ہم کو اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ پولینڈ کے محاربات نے جرمنی کی سپاہ کی صحت پر بڑا اثر کیا ہے اور کرے گی۔

موسم بہار میں فریقین کی جدید فوجیں میدان جنگ میں آئیں گی اور اس کی شہادت موجود ہے کہ جرمنی نہایت کم عمر اور بہت بوڑھے لوگ میدان میں طلب کر چکا ہے لیکن برطانیہ نے اپنی محفوظہ فوج کو ابھی تک چھوا بھی نہیں ہے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تھی تو لارڈ کچنر نے قوم سے دس لاکھ آدمی حربی تربیت کے لئے مانگے تھے۔ لیکن اگرچہ لارڈ موصوف نے ہم کو کبھی یہ نہ بتایا کہ اُس کی طلبی پر کسقدر آدمی آئے تاہم یہ خیال کرنے کی وجہ موجود ہے کہ آنے والوں کی تعداد دس لاکھ سے بڑھ گئی اور قوت و تندرستی کا معیار اعلیٰ تھا۔ یہ آدمی چار ماہ سے حربی تعلیم پا رہے ہیں اور ان کی چھ فوجیں بنائی گئی ہیں اور مارچ ۱۹۱۵ء میں وہ میدان میں آجائیں گی۔ انھیں کے ساتھ فرانس کی نئی فوجیں نمودار ہونگی اور جنگ کی حالت میں کسی قدر تبدیلی کی امید ہوسکتی ہے۔

یہ بات بھی وقت سے معلوم ہوجائے گی کہ ہمارے جنرلوں کی کیا تجویزیں ہیں۔ جرمنی بیکار نہیں ہے اور اگر وہ آگے نہ بڑھ سکے گا تو پیچھے ہٹ کر مستحکم مقامات پر چلا جائیگا۔ اور چونکہ بلجیم اور دریائے رین کے کنارے کا جرمن ملک قلعوں اور مستحکم مقامات سے بھرا پڑا ہے اور ہم گزشتہ موسم خزاں میں اُس نقصان کو دیکھ چکے ہیں جو جرمنی نے حملوں کے ہنگام میں اُٹھایا تھا تو ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان قلعوں اور مستحکم مقامات پر جب ہم حملے کریں گے تو کیسے کیسے نقصان اُٹھانے پڑیں گے۔ ان کے بعد خود دریائے رین واقع ہے اور وہ ایسی زبردست روک ہے ظاہر ہے۔ مشرق میں ہم سنتے ہیں کہ روس سیلیشیا پر حملہ کرنے کی تجویز کر رہا ہے۔ یہ

جرمنی کی دستکاری کا سب سے امیر صوبہ ہے اور اس کا ہنگری سے تعلق ہے پس جب مغرب اور مشرق دونوں جانب سے حملہ کیا گیا تو جرمنی پریشان ہو جائے گا اور یہ مشتبہ ہی کہ آسٹریا حملے کے صدمے کو جھیل بھی سکے گا یا نہیں۔

آسٹریا و جرمنی کی غذائی قلت

یہ بھی مشتبہ ہے کہ جرمنی اور آسٹریا کے پاس کافی روپیہ۔ سامانِ خوراک اور گولا بارود ہی یا نہیں کہ دونوں بہت عرصے تک جنگ کر سکیں۔ اگر وہاں کاشت ہو سکی تو کھانے کو غلّہ پیدا ہو سکے گا لیکن جرمنی میں کچھ غلہ باہر سے بھی آتا ہے تاہم دونوں سلطنتیں مثل دو محصور قلعوں کے بہت عرصہ تک بھوک کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اگر اُن کے کاشتکار آزاد رہیں۔ لیکن جب تک اُن کی فوجیں میدانِ جنگ میں ہیں وہ آزاد نہیں ہیں۔ اور نہ اُن کے لئے دنیا کے گندم خیز میدان یا سمندر فرانس اور برطانیہ کی طرح کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا جرمنی میں تانبا کم یاب ہوتا جاتا ہے۔ اور تانبا کارتوس بنانے کے لئے ضروری ہے کیونکہ تانبے سے پیتل کے کارتوسوں کے خول اور پھٹنے والے گولوں کے ڈھکن بنائے جاتے ہیں۔

جرمنی کی مالی حالت

روپیہ کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ جرمنی کی مالی حالت کیا ہے اور ہم ہندوستان میں بیٹھ کر تو یہ بات جان ہی نہیں سکتے غالباً جرمنی کے باہر کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جرمنی کی گورنمنٹ اُن تمامی چیزوں کی جو وہ استعمال کرتی ہے، قیمت کس طرح ادا کرتی ہے اور اُن سپاہیوں کے بال بچوں کی کس طرح پرورش ہو رہی ہے جو میدانِ جنگ میں کام کر رہے ہیں۔ لیکن مالی اعتبار سے انگلستان کی ایسی مستحکم حالت ہے کہ اُس میں جنبش نہیں آسکتی۔ ۴۵ کروڑ پاؤنڈ کے بڑے قرضہ کا جب اُس نے اہتمام کیا تو فوراً مطلوبہ رقم سے زیادہ روپیہ جمع ہو گیا۔ یہ روپیہ آیندہ اپریل ۱۹۱۵ء تک کافی ہوگا اور دوسرا قرضہ لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ انگلستان کے بنک میں سونے کی نہایت عظیم الشان رقم محفوظ ہے اور کسی مقام پر ساکھ میں بٹّہ

نہیں آسکتا - یہی حالت فرانس کی ہے روس کے متعلق ہمارے پاس تفصیلی اطلاع نہیں ہے - یہ یقینی ہے کہ اُس کے مالی ذرائع محدود ہیں - لیکن غذا کے سامان کے متعلق وہ مستغنی ہے اور اُس کا ملک اتنا بڑا ہے کہ مہلک ضرب کی رسائی سے باہر ہے۔

مختصر آں کہ ذرائع متحدین کے معاون ہیں اور ذریعوں ہی کے ذریعہ سے فتح ہوگی اگر کوئی غیر متوقعہ بات پیش نہ آئی - لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ غیر متوقعہ باتیں پیش آجایا کرتی ہیں اور مردِ آخر بیں وہی ہے جو اپنے موافق حد سے زیادہ کی امید نہ کرے۔ اپنے اسلحہ کے علاوہ جرمنی کے پاس اور بھی حربے ہیں اور ایک اُن میں سے یہ ہے کہ متحدین کو وہ امریکا سے کہیں نہ اُلجھا دے جس کا امکان ہے۔ اس وقت تو یقینی بات ہے کہ جمیع امور پر نظر کرنے سے ممالک متحدہ امریکہ کا خیال متحدین کے موافق ہے لیکن امریکا میں لکھوکھا جرمن موجود ہیں اور اس کے سوا بعض امریکا کے ایسے مقاصد بھی ہیں جن کو متحدین کے حربی طریقِ عمل سے نقصان پہنچ رہا ہے - مثلاً جب تک جرمنی کے پاس روپیہ ہے امریکا والے اپنا تانبا - روئی اور گیہوں اُن کے ہاتھ بیچنا چاہیں گے - لیکن متحدین - گو - روئی کے خریدنے پر معترض نہوں لیکن وہ جرمنی کو تانبا کارتوسوں کے لئے اور گیہوں فوج کے خرچ کے لئے خریدنے کی اجازت نہ دیں گے اور غیر جانبدار ملکوں کے جہازوں کو بھی اجازت نہ دیں گے کہ یہ چیزیں وہ جرمنی کو لیجائیں - لیکن جرمنی کے بندرگاہوں کا تو خیر انتظام ہو جائیگا مگر غیر طرفدار ممالک کے بندرگاہوں کا جیسے اٹلی اور ڈنمارک ہیں اور جن کی حدّیں جرمنی سے ملحق ہیں کیا بند و بست کیا جائیگا - کیا امریکہ کو یہ حق ہے کہ ان غیر طرفدار ممالک کو تانبا اور گیہوں نہ بھیجے؟ یہ مال اٹلی اور ڈنمارک وغیرہ ہیں ہو کر جرمن لوگوں کو جرمنی میں پہنچ سکتا ہے اور متحدین نے ایسی تجارت کو

روکا اور اس پر **امریکہ** نے **برطانیہ** کی گورنمنٹ کو ایک **نوٹ** بھیج کر لکھا ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ یہ مال **جرمنی** کے لئے بھیجا گیا ہے ایسا مال برابر جانے کی اجازت دی جائے۔ یہ **نوٹ** دوستانہ طریقہ سے بھیجا گیا ہے مگر اس میں بعض ایسی درخواستیں ہیں کہ **متحدین** اُنھیں منظور کر لینے پر مایل نہیں ہیں۔ لیکن **جرمنی** تو بے شبہ اس کا سوئی کا پھالا اور پھانس کا بانس بنائے گا اور تا امریکہ سے اصرار کریگا کہ **متحدین** کو جنگ کی دھمکی دی جائے۔ لیکن **امریکہ** کا پریسیڈنٹ **ولسن** محتاط اور صلح پسند آدمی ہے اور ہم کو یقین ہے کہ معاملہ **آشتی** کے ساتھ طے ہو جائیگا۔

یہ سوال کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ **اٹلی** اور **رومانیہ** جنگ میں شریک ہونگے یا نہیں۔ اس کے متعلق برابر پیشین گوئیاں ہوئی ہیں لیکن یہ معاملہ بھی اُنھیں معاملات میں سے ہے جن کے متعلق پیشین گوئیاں غلط ثابت ہو چکی ہیں۔

چنانچہ ہم اس معاملے میں نہ پیشین گوئیوں پر عمل کریں گے اور نہ خیالی گھوڑے دوڑائیں گے۔ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مطمئن عزم کے متعلق **متحدین** کے پاس معقول وجوہ موجود ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ وہ سب پورا عزم کر چکے ہیں۔ اُنھوں نے بہت عرصہ ہوا کہ ایک دوسرے سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ جُدا جُدا تجاویزِ صلح پر توجہ نہ کریں گے اور ہم کو خیال ہے کہ جب تک **جرمنی** کا **پولینڈ** اور **بلجیم** پر قبضہ ہے وہ اپنے عہد پر قایم رہیں گے۔ ہم کو بھروسا ہے کہ وہ دن جلد آتا ہے کہ **جرمنی** اپنی حدود میں ڈھکیل دیا جائے گا اور پھر ہمکو یہ بھی بھروسا ہے کہ اُس میں کافی عقل ہوگی کہ وہ صلح کی درخواست کریگا اور **متحدین** میں کافی فراست ہوگی کہ معقول شرائط پر صلح منظور کر لیں گے۔ دنیا کے لئے یہ بات بڑی مصیبت کی ہوگی کہ مایوسانہ حد تک اس جنگ کو طوالت دی جائے۔ جب متحدین کو فتح کا انعام مل جائیگا تو اُن کو کچھ سزا دینی پڑے گی اور بعض ظلموں کے انتقام لینے ہوں گے اور نقصان پورے کرانے پڑیں گے۔ یعنی انسانی مصائب ذلّت اور موت کا

ان تک روپیہ سے بدل ممکن ہوگا کیا جائے گا۔ لیکن منتخبین کا یہ فرض ہوگا کہ وہ تحمل سے کام
ہں اور ٹھیریں کہ انصاف انتقام سے تبدیل ہوکر ذلیل نہ ہونے پائے اور شاید اُنھوں نے
ب دفعہ سے زیادہ اپنے تئیں یاد دلایا ہوگا کہ اُنھوں نے آزادی کی حمایت میں
ہیار اُٹھائے ہیں۔ پس اگر **جرمنوں** یا **ترکوں** کو اُنھوں نے غلام بنایا تو
ن سے آزادی کی وہ حمایت نہ کریں گے۔ یعنی یہ مسئلہ نہایت دشوار ہوجائے گا
آزادی کا نام لیکر وہ **یوروپ** میں امن قایم کریں۔

مگر ہم حد سے زیادہ تیزی کے ساتھ باتیں بنا رہے ہیں۔ معاملے کا طے ہونا
ر اُس پر ابھی سے گفتگو کرنا ایک اِدّعا ہے باطل ہے یہ جھگڑا تو ابھی ختم نہیں ہوا ہے
ر غالباً آدھا بھی ختم نہیں ہوا ہے اس چھوٹی کتاب کے لئے تو یہی کافی ہے کہ ہم نے
اف طور سے تنقیحات قایم کرکے سب کے دلوں کو اس جھگڑے کے لئے مضبوط کر دیا
ہے۔ فقط

حقیر سید محمد معین الدین مترجم

کتاب ہذا کی نسبت ایڈیٹر ذوالقرنین کی رائے

ماسٹر سید محمد معین الدین صاحب شاہجہانپوری نہایت مستند اور مشہور مترجم ہیں۔ انھیں ترجمہ کا ایسا مخصوص سلیقہ ہے کہ شاید کبھی ترجمہ کا
سودہ نہیں کرتے بلکہ صدہا صفحے قلم برداشتہ نہایت خوش قلم لکھتے چلے جاتے ہیں اور وہی ابتدائی مسودہ اُن کی کتاب ہوتا ہے۔ ترجمے کے
ن کام کو دیکھتے ہوئے بہت سے ناظرین اس پر تعجب کریں گے اور غالباً بہتوں کو یقین بھی نہ آئے گا لیکن آج بڑے بڑے آدمی
موجود ہیں جنھوں نے اُن کو ایسے ترجمے کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اُن کو تلاش رہی ہے کہ آج کوئی دوسرا مترجم بھی اس
سے ترجمہ کرنے والا موجود ہے یا نہیں۔

سید صاحب کا سب سے پہلا کام "مسٹر اسٹینلی لین پول" کی مشہور انگریزی کتاب "اورنگ زیب" کا اردو ترجمہ ہے
جسے انھوں نے ... ۔ ایس سی ۔ ایبٹ" کی لکھی ہوئی "لائف آف نپولین" کا پانچ ضخیم جلدوں میں اردو
ترجمہ کرکے ملک پر احسان کیا ہے۔ یہ ترجمہ انجمن ترقی اردو نے سید صاحب سے معاوضہ دیکر لیا اور شایع کیا۔ اس کے بعد

بھی ماسٹر صاحب ترجمہ کے ذریعہ سے اُردو کی خدمت سے غافل نہ رہے اور باوجود کثیر المشاغل ہونے کے اُنھوں نے تین ضخیم جلدوں میں "مسٹر جان۔ ولیم کے" کی مصنفہ کتاب "دی ہسٹری آف دی واران افغانستان" کا اُردو ترجمہ کر دیا۔ جو پریس میں پہنچ گیا ہے اور پہلی دو جلدیں چھپنا شروع ہو گئی ہیں۔ یہ ترجمہ "محاربات افغانستان" ہنوز ملک کے سامنے نہ آیا تھا کہ دنیا میں موجودہ جنگِ عظیم کی چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ اور انگریزی لٹریچر میں اس جنگ کے متعلق بہت سی کتابوں کا اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ انگریزی کے علاوہ اُردو کے مصنفوں نے بھی اپنی بساط کے موافق ایک حد تک کوشش کی اور چند اُردو کتابیں تالیف کی صورت میں شائع ہوئیں لیکن ناکمل۔ کیونکہ اُردو داں مصنفوں کو نہ وہ سامان بہم پہنچ سکتے ہیں نہ اُن کی معمولی واقفیت انگریزی مصنفین کی جامع قابلیت اور تجربے سے کچھ نسبت رکھ سکتی ہے۔ ماسٹر سید معین الدین صاحب نے غالباً اسی بات سے متاثر ہو کر یہ ضروری سمجھا کہ وہ اُردو داں پبلک کو اس جنگ کے متعلق انگریزی مورخ کے طرزِ تاریخ نگاری اور طریقۂ استدلال سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ پس اسی لیے اُنھوں نے "مسٹر جے نیلسن فریزر" کی انگریزی کتاب "دی ورلڈ ایٹ وار" کو ترجمہ کے لئے منتخب کیا اور اپنی مشق اور خاص قابلیت کی بدولت بہت جلد ترجمہ ختم کر دیا۔ ترجمہ ناظرین کے سامنے ہے وہ اُس کو پڑھیں۔ یہ ترجمہ کس پایہ کا ہے اُس کی نسبت صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ اگر پہلے سے یہ نہ کہہ دیا جاتا کہ یہ کتاب ترجمہ ہے تو پڑھنے والوں کو یہ شبہ بھی نہ گزرتا کہ یہ کتاب کسی دوسری زبان سے لی گئی ہے بلکہ فی الواقع وہ ایک مورخ کی اصل تالیف سمجھی جاتی۔ لیکن باوجود اس کے اصل سے مقابلہ کرنے پر سخت سے سخت نکتہ چین کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ لفظی ترجمہ کی خوبی بھی نظر انداز نہیں کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ انگریزی نظم کو اُردو نظم کا جامہ پہنانے میں وہ کمال کیا ہے کہ دوسرے مترجم سے شاید ہی ممکن ہوتا۔

اب میں کتاب کے نفسِ مضمون کی نسبت کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ جنگ کے متعلق صحیح واقفیت اور بے لوث مگر صائب رایوں کا نمونہ جس کی ہندوستانیوں کے لیے ضرورت ہے صرف یہ ایک کتاب ہے۔ اور کتاب ہی کے انتخاب میں ماسٹر صاحب کی حیرت خیز بصیرت سب سے زیادہ قابلِ داد ہوتی ہے۔ فی الواقع اُنھوں نے ملک اور گورنمنٹ کی بڑی خدمت انجام دی ہے جو اس کتاب کے چھپے ہوئے خزانہ کو اُردو داں ہندوستانیوں کی دسترس میں پہنچا دیا ہے۔ خدا اُن کی سعی مشکور فرمائے۔

خاکسار

نظامی بدایونی۔ ۶۔ جون ۱۹۱۶ء